سلسلہءمطبوعاتِ فکرِ قاسم واشرف: ۹

مذاہب کا تقابلی جائزہ

[شاہ جہاں پور میلہء خدا شناسی (۱۸۷۶ء) میں مختلف مذاہب کے نمائندوں کے بیچ کی گئی الامام قاسم نانوتویؒ کی تقریریں اور بہ قدرِ ضرورت وہ مواد لیے گئے ہیں جو اِن تقریروں سے براہِ راست ربط رکھتے ہیں۔ اِن تقریروں میں مذہب کی صداقت کو عقل کے صحیح اصولوں سے جانچنے کے ضمن میں متعلقہ اِلحادی افکار کا رد بھی ہوتا گیا ہے۔]

خطبات ثلاثہ

الامام محمد قاسم نانوتویؒ

تحقیق وتشریح

مولانا حکیم فخر الاسلام مظاہری

ناشر

مجمع الفکر القاسمی الدولی دیوبند

تفصیلات

کتاب کا نام:...مذاہب کا تقابلی جائزہ

صاحب افادات: ....الامام محمد قاسم نانوتویؒ

تحقیق وتشریح...............................مولانا حکیم فخر الاسلام صاحب مظاہری

صفحات:...۸۴

تعداد:..۱۰۰۰

اشاعتِ اول:..............................ربیع الاول۱۴۴۴ھ مطابق ستمبر۲۲۰۲ء

ناشر:..مجمع الفکر القاسمی الدولی، دیوبند

ملنے کے پتے

مہاراشٹر	:	مجمع الفکر القاسمی الدولی جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا
دیوبند	:	مرکز تکمیل علم کلام، نعیمیہ، مدنیہ، فدائے ملت وغیرہ۔
سہارنپور	:	مجمع الفقہ الحنفی، امداد الغربا، حکیم الامت اکیڈمی۔
ڈابھیل	:	ادارۃ الصدیق، ڈابھیل (گجرات)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ لفظ

چاندا پور، ضلع شاہ جہاں پور، یوپی، ہند میں مذہبی گفتگو اور خدا شناسی پر دو مرتبہ [۱۸۷۶ء، ۱۸۷۷ء] تاریخ ساز مباحث منعقد ہوئے۔ پہلے سال [۱۸۷۶ء] کی روداد کے مرتب مولوی محمد ہاشم علیؒ مہتمم مطبع ہاشمی میرٹھ [وفات ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء /۱۸ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ] اور مولوی محمد حیاتؒ، مہتمم مطبع ضیائی ہیں، جو مشاہد کی حیثیت سے جلسہ میں شریک ہوئے۔ انہوں نے واقعات وحالات کی تمام تفصیلات وروداد قلم بند کر کے مجموعے کا تاریخی نام ''گفتگوئے مذہبی اور واقعہ میلہ؟ خدا شناسی'' [۱۲۹۳ھ] تجویز کیا۔

زیرِ دست مجموعہ میں اُس تمام روداد میں سے الامام محمد قاسم نانوتویؒ [۱۲۴۸-۱۲۹۷ھ=۱۸۳۲-۱۸۸۰ء] کی تقریر پیش کی جارہی ہے۔معکوفینی اضافے اور بہ قدرِ ضرورت حواشی اور اصول موضوعہ وغیرہ کی تحقیقات کا اضافہ راقم سطور کی جانب سے ہیں۔

تقریباً دو سال پہلے اِس رسالہ پر کچھ کام کرنے کی نوبت آئی تھی اور وہ تحریر یادداشت کی شکل میں محفوظ تھی۔اب اِس وقت موجودہ ہیئت میں کام کی تحریک اِس طرح ہوئی کہ ''شعبہ تحفظِ شریعت، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، سملک، گجرات'' میں مطالعہ مذاہب میں تخصص کے لیے اِس سال چند طلبہ داخل کیے گئے، تو اُن کی ضرورت کے تحت مفتی ابوبکر صاحب زید مجدہٗ کی دعوت پر- جو اِس شعبے کے

ذمہ دار ہیں- جامعہ مذکور میں آنا ہوا، اور اِن طلبہ سے خصوصی خطابات کی نوبت آئی۔
اِس دوران راقم الحروف نے یہ ضرورت محسوس کی کہ چوں کہ اِس موضوع پر سب سے زیادہ اَساسی نوعیت کی تحریریں اور تقریریں الامام محمد قاسم نانوتویؒ کی ہیں، لہذا طلبہ کے لیے حضرتؒ کی کسی تصنیف کو ہی کیوں نہ سبقاً سبقاً پڑھانے کی تجویز کی جائے۔ اس خیال کو روبہ عمل لانے کے لیے رسالہ ''گفتگوئے مذہبی'' کا انتخاب کیا گیا۔

اِس وقت الامام محمد قاسم نانوتویؒ کی فکری و کلامی تحریروں اور تقریروں کی اشاعت کی ضرورت اِس لیے بھی زیادہ محسوس ہوئی کہ تفہیم بین المذاہب کی تحریک کی جانب میلان متعدد اہلِ علم کو بھی اپنی لپیٹ میں لیتا جا رہا ہے، جنھوں نے ایک طرف اِستشراق کے طریقہ پر استغراب کی دعوت دینی شروع کر دی ہے، تو دوسری طرف یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ''نوع انسانی کو ہدایت کی طرف لانے کا طریقہ یہی ہے کہ قوموں کے درمیان تبادلہ خیال ہو، اور ''حوار'' و ''مذاکرہ'' کا راستہ اختیار کیا جائے''۔
دورِ حاضر میں حوار و مذاکرہ کا جو راستہ اختیار کیا گیا ہے اُس کی دوسری تعبیر ڈائیلاگ] کچھ دو، کچھ لو[اور باطل عقائد کے ساتھ مذہبی مفاہمت ہے۔ یہ طریقہ آج سے ایک سو پچاس سال پہلے سرسید احمد خاں کے ذریعے پیش کیا گیا تھا۔ کتاب ''تبیین الکلام'' میں مقرر کردہ سرسید کے اُسی طریقہ کو ''استغراب'' کی طرف میلان رکھنے والے اہلِ علم، اب اِس وقت رائج کرنا چاہتے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔
رسالہ ''گفتگوئے مذہبی'' کا انتخاب اِسی مذکورہ بالا فاسد خیال کے سدِّ باب کی پہلی عملی تعبیر ہے۔ وجہِ انتخاب یہ ہے کہ اِس موضوع میں زیادہ اہم کتابیں چار

ہیں: ا-تقریر دل پذیر ۲-حجۃ الاسلام ۳- مباحثہ شاہ جہاں پور اور ۴- گفتگوئے مذہبی۔ دورِ حاضر میں مذہبی گفتگو کے لیے جن مباحث پر عبور واعتماد لازم ہے اُن میں سے اہم مباحث اِس مختصر تحریر میں زیرِ بحث آ گئے ہیں، مثلاً: ا-خدا تعالیٰ کا ثبوت ۲-خدا تعالیٰ کی توحید ۳-خدا تعالیٰ کا واجب الاطاعت ہونا ۴-نبوت کی ضرورت ۵-نبی کے اوصاف ۶-حضورﷺ کا افضل الانبیاء ہونا ۷-مسئلہ تقدیر ۸-مسئلہ خیر وشر وغیرہ۔

تقابلی مطالعہ کے وقت ترتیب میں آخر الذکر کتاب کو مقدم رکھنا اور اُسی سے مطالعہ کی ابتدا کرنا اِس لیے مناسب ہے کہ اِس میں زیرِ بحث آنے والے مضامین طویل نہیں ہیں، مختصر ہیں، مشکل نہیں ہیں، نسبتاً آسان ہیں، بعض مسائل جو دقیق ہیں وہ بھی سلیس اسلوب میں ہیں۔

رسالہ کی اِس اہمیت کے پیشِ نظر ایک کام تو یہ کیا گیا کہ طلبائے تخصص کے سامنے از اول تا آخر اِس کے درس کا اہتمام کیا۔ دوسرا کام یہ سوچا گیا کہ رسالے میں مذکور الامام محمد قاسم نانوتویؒ کی تقریریں مجموعے میں سے علاحدہ کر کے مرتب کر دیا جائے۔ بہ نامِ خدا دونوں کام شروع کیے گئے۔ اِس طرح پہلے کام یعنی درس کے بعد دوسرا کام بھی بفضلہٖ تعالیٰ تکمیل کو پہنچا، جو ''مذاہب کا تقابلی جائزہ'' کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

مفتی ابوبکر صاحب پٹنی زید مجدہ نے نہ صرف میری حوصلہ افزائی کی؛ بلکہ مسوّدہ کی نظرِ ثانی میں میری بڑی مدد کی، متعدد مواقع پر مفید مشوروں سے نوازا۔ اِس طرح موصوف، نیز ادارے کے منتظمین، ملّت کی جانب سے سپاس گزاری کے مستحق

ہیں، کہ اُنھوں نے حضرت نانوتویؒ کے فکری علوم واصول سے طلبہ کو آشنا کرنے کے لیے مطالعہ مذاہب کے موضوع کا اجرا کیا۔

فخر الاسلام

۵/ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ = ۶/جون ۲۰۲۲ء

نظر ثانی: اصول موضوعہ کا قصہ یہ ہوا کہ رسالہ کے انگریزی ترجمہ کے وقت نظر ثانی؛ بلکہ ثالث کے دوران پھر سے تحقیق کی نوبت آئی، عنوانات کی ترمیم وعبارات کی اصلاح، نیز ہر مضمون کو اصولوں کے ساتھ وابستہ کرنے کا اضافی کام کرنا پڑا۔ یہ ۶۱، اصول مضامین کا گویا ماحصل ہیں جنہیں یاد کرنا اور یاد رکھنا، اِن کی مدد سے مضامین کا سمجھنا، محفوظ رکھنا نسبۃً سہل ہے۔ پہلے ہی، جس وقت کام کی اِطلاع ہوئی تھی، مولانا محمد حذیفہ وستانوی حفظہ اللہ نے بڑی مسرت کا اِظہار کیا تھا۔ اب اِس مزید کاوش میں اُن کی اعانتیں بطورِ خاص شکریہ کی مستحق ہیں۔

فخر الاسلام

(نزیلِ حال جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

۲۶/صفر المظفر ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۳/ستمبر ۲۰۲۲ء)

پہلی تقریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اول خدا کی تعریف اور اپنے عجز و نیاز کے مضامین اور کلمہء شہادت- جو اکثر اہلِ اسلام کے خطبوں کے شروع میں ہوا کرتے ہیں- بیان فرمائے۔ اُس کے بعد ایک تقریر بیان فرمائی، جس کا حاصل یہ تھا:

ردِ اِلحاد کے چند اصول

مذہب کے سچے، جھوٹے ہونے کے معیار سے متعلق

اصول ۱: [مذہب کا حق اور باطل ہونا، عقائد کے حق اور باطل ہونے پر موقوف ہے، احکام پر نہیں۔ احکام کی بھلائی برائی کو مذہب کے حق اور باطل ہونے میں دخل نہیں۔]

مذہب کی بھلائی، برائی، حقانیت [و] بطلان: عقائد کی بھلائی، برائی، حقانیت [و] بطلان پر موقوف ہے۔ احکام کی بھلائی برائی کو اُس میں دخل نہیں؛ کیوں کہ بہ حیثیتِ حکومت، حاکم کو ہر قسم کے احکام کا اختیار ہوتا ہے۔ اگر ہر قسم کے احکام کا اختیار نہ ہوا کرے، یعنی ہر قسم کے احکام اُس سے بہ مقابلہ رعیت ومحکومین صادر نہ ہوسکیں، تو وہ حاکم نہیں، محکوم ہے۔

بُرے احکام کی تخصیص بہ حیثیتِ عدل وانصاف ورحمت وفضل ومتانت وحکمت وغیرہ اوصافِ جلیلہ ہوتی ہے، بہ نظرِ حکومت نہیں ہوتی۔ [یعنی بُرے احکام بُرے اِس لیے کہلاتے ہیں کہ اُن میں عدل وانصاف وغیرہ اوصافِ جلیلہ ملحوظ نہیں رہتے، کیوں کہ حاکم کو حاکم ہونے کی حیثیت سے ہر طرح کا اختیار ہے۔]

بنائے معبودیت سے متعلق

اصول۲: [معبود ہونے کا مدار حکومتِ عالیہ پر ہے خدا کا احکم الحاکمین ہونا اور وہ باتیں جو حکومت کو لازم ہیں، اگر مسلّم ہوں گی، تو اُس کا معبود ہونا بھی مسلّم ہوگا۔ چوں کہ خدا کا احکم الحاکمین ہونا مسلّم ہے اور اُس کو حکومت عالیہ حاصل ہے اس لیے وہی معبود حقیقی ہے۔]

اور ظاہر ہے کہ بنائے معبودیت فقط حکومت پر ہے؛ [کیوں کہ] ''عبادت'' اِطاعت اور نیازِ قلبی کو کہتے ہیں بہ شرطے کہ اُس کے سامنے ہو جس کو اپنے اعتقاد میں ہر طرح سے مختار اور اَوروں کو اُس کے سامنے محض بے اختیار سمجھے۔ سو، ظاہر ہے کہ اِسی کو ''حکومت'' کہتے ہیں۔ غرض، منشائے معبودیتِ معبودِ حقیقی اُس کی وہ حکومتِ عالیہ ہے جس کے سبب وہ احکم الحاکمین کہلایا۔

احکام کی حکمت سے متعلق

اصول۳: [خدا کا حکم ہونا اور معبود ہونا مسلم ہونے کے بعد تجسس اِس بات کا ضروری ہے کہ یہ حکم خدا تعالی کا ہے یا نہیں۔ حکم کی مصلحت کا تجسس اِخلاصِ عبادت کے خلاف ہے۔]

اِس صورت میں اِس کا تجسس کہ یہ حکم اچھا ہے یا بُرا ہے؟ مقتضائے اِخلاصِ عبادت نہیں، گو اُس کا کوئی حکم مخالفِ رحمت وحکمت وغیرہ اوصاف مُشارٌ الیہا [جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا، یعنی عدل وانصاف ورحمت وفضل ومتانت وحکمت وغیرہ] نہ ہو(۱)۔ اگر تجسس ضروری ہے، تو اِس بات کا کہ یہ حکم خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ نہیں؟ یعنی

یہ بات دیکھنی چاہیے کہ جس مدعیِ نبوت ورسالت کے وسیلے سے یہ حکم ہم تک پہنچا ہے اُس میں اخلاق وافعالِ پسندیدہ اور معجزاتِ خارقہ پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ پھر اگر وقت ارشادِ احکام ہم کو اُس کی زیارت میسر نہیں آئی، تو جس روایت (۱) اگر چہ ایسا ہوتا نہیں دیکھیے تصفیۃ العقائد تشریح وتحقیق از راقم، مجمع الفکر القاسمی الدولی ص ۱۰۱۔ سے یہ احکام پہنچے وہ روایت معتبر اور مقرون بہ شرائطِ اعتبار ہے کہ نہیں؟

علاوہ بریں [- باوجود یہ مسلم ہونے کے کہ خدا کے احکام میں حکمتیں ہیں اور اُس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں- صداقتِ مذہب کا مدار احکام پر اِس لیے بھی نہیں رکھا جا سکتا کہ اول تو اُس کے تمام احکام کی حکمتیں معلوم نہیں، دوسرے] احکام کی کوئی انتہا نہیں، ہر ہر حکم کی تحقیق کیجیے تو ایک زمانہ دراز چاہیے۔

مذہب کی بنیاد عقائد پر ہونے کی وجہ

ہاں! فقط عقائد پر اگر حقیتِ مذہب کو موقوف رکھا جائے تو بجا ہے؛ کیوں کہ اول تو عقیدہ ایک قسم کی خبر ہوتا ہے، اگر صحیح عقیدہ ہے تو یوں کہو: مطابقِ واقع ہے، اور اگر غلط ہے تو یوں کہو: ایک جھوٹی بات ہے۔ سو، خدا کی حکومت اور اُس کا احکم الحاکمین ہونا اور وہ باتیں جو حکومت کو لازم ہیں، اگر مسلّم ہوں گی تو اُس کا معبود ہونا بھی مسلّم ہوگا؛ ورنہ معبود ہونا ہی مسلّم نہ ہوگا جو بندوں کے ذمے اطاعت لازم ہو۔

عقائد کی رو سے سب سے عمدہ مذہب اسلام

پھر اِس پر عقائد ضروریہ ہر مذہب میں دو چار ہی ہوتے ہیں، ایسا لمبا چوڑا قصہ نہیں ہوتا جس کی تحقیق دشوار ہو۔ مگر عقائد کی رو سے دیکھیے، تو مذہبِ اسلام

سارے مذہبوں سے عمدہ معلوم ہوتا ہے۔ اہلِ اسلام کا پہلا عقیدہ جس پر بنائے اسلام ہے، یہ ہے: (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ)۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ: ''سوائے اللہ تعالیٰ اَور کوئی لائقِ عبادت نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں''۔

توحید سے کسی مذہب کو اِنکار نہیں

سو، اول جملہ جس کا خلاصہ ''توحید'' ہے، کسی ملّت اور مذہب والوں کو اِس سے انکار نہیں۔

[کیوں کہ اگر توحید کا اِنکار کرنے والوں کا تجزیہ کیجیے، تو] زیادہ تر منکرِ توحید، مشرک ہوتے ہیں، اُن میں سب سے بڑھ کر تین فرقے ہیں:

۱- ایک تو جاہلانِ عرب، یعنی قبل بعثتِ محمد ﷺ جو لوگ عرب میں تھے۔

۲- دوسرے ہنودِ ملکِ ہند۔

۳- تیسرے عیسائی لوگ۔

توحید کی دلیل نقلی

[دیگر مذاہب کے حوالے سے]

۱- توحید اور عرب

جاہلانِ عرب کی سنیے: باوجود کثرتِ شرک وبت پرستی، خالقِ زمین وآسمان ایک خدا ہی کو سمجھتے ہیں؛ چناں چہ قرآن شریف میں اُن کے حال میں فرماتے ہیں: ولَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ [لقمان:۵۲] جس

کے یہ معنی ہیں کہ: ''اگر تو اُن سے پوچھے کہ: کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمینوں کو؟ تو یوں ہی کہیں کہ: اللہ نے''۔

۲-توحید اور ہنودِ ہند

اور ہنود کی کیفیت پوچھیے تو اُن کو بھی ایسا ہی سمجھیے۔ وہ گو بُت پرست اور اَوتاروں کے پوجنے والے ہیں، پر جوتی سروپ اور نرنکار [بے شکل وآ کار، حیات بخش] ایک ہی کو کہتے ہیں۔

۳-توحید اور نصاریٰ

رہے نصرانی، وہ اگر چہ شرک میں سب سے اول نمبر ہیں، اَور مشرک تو مشرکِ صفات ہیں؛ پر نصرانی مشرکِ ذات ہیں، یعنی ذات کے مرتبہ میں تین خداؤں کے قائل ہیں؛ لیکن بہ ایں ہمہ توحید کو اُنھوں نے بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہ کہتے ہیں کہ: جیسے ہمارے نزدیک حقیقت میں تین خدا ہیں، ایسے ہی وہ تینوں حقیقت میں بھی ایک ہی ہیں۔ القصہ، اِس امرِ محال کو اختیار کیا کہ وحدت بھی حقیقی ہو اور کثرت بھی حقیقی ہو؛ مگر پھر بھی ''توحید'' کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید سے کسی کو انکار نہیں؛ بلکہ اصلِ اصول سب کے نزدیک ''توحید'' ہی ہے(۱)۔ اور جب توحید مسلّم اور اصل ٹھہری، تو پھر جو باتیں مخالفِ توحید ہوں گی وہ خود غلط ہوں گی، یعنی

(۱) پھر توحید کے عقیدے میں آمیزش کر کے جن شرکیہ مضامین کی ملاوٹ پیدا کر دی گئی ہے، اُس کا تجزیہ آئندہ آئے گا۔

شرک اور بت پرستی اور کثرتِ معبودان [سے متعلق باتیں] اپنے آپ غلط ہوں گی۔

توحیدِ خداوندی پر عقلی دلائل

علاوہ بریں، عقلِ سلیم بھی اِس پر شاہد ہے کہ: معبودِ حقیقی ایک ہی ہے۔ وجہ اِس کی یہ ہے کہ تمام عالَم وجود میں شریک ہے۔ ایک لفظ ''موجود'' سب پر بول سکتے ہیں اور سب کے وجود کو ''وجود'' ہی کہتے ہیں، کچھ اَور نہیں کہتے۔ غرض ایک چیز سب میں مشترک ہے، پھر اُس پر عالم کا یہ حال کہ اکثر موجودات کے قدیم ہونے (۱) سے وہ موجودات جن کا زمانہ؟ عدم عموماً دیکھا جاتا ہے قدیم نہیں، حادث ہیں۔ ایک زمانہ میں موجود نہ تھے اور بعد وجود، ایک زمانہ میں معدوم ہو جاتے ہیں۔ (۲)

عارضی واصلی

اصول۴: [خانہ زاد اشیا کے وجود اور اُس کے وصف کا زوال ممکن نہیں، مستعار اشیا کے وجود اور اُس کے وصف کا زوال ممکن ہے]۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن اشیا کا وجود ایسا ہے جیسا گرم پانی کی حرارت اور زمین کی روشنی، یعنی ایک زمانے میں پانی ٹھنڈا اور زمین بے نور تھی [اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے پانی ٹھنڈا اور زمین تاریک ہے]۔ اور بعد حرارت ونور پھر ایک زمانہ وہی ٹھنڈک اور اندھیرا ہے۔ سو، جیسے اِس آمد وشدِ حرارت ونور سے ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ حرارت ونور، آب وزمین کے خانہ زاد نہیں، کسی سے مستعار ہیں جس کے یہ خانہ زاد ہیں۔ اور اِس پتے پر آخر آتش اور آفتاب کا (۱) قدیم، اِس معنی میں کہ اُس کی نہ کوئی ابتدا ہو، نہ اِنتہا، صرف ایک موجود خدا تعالیٰ کی ذات ہے؛ لیکن مصنف نے عالمِ ابعاد میں اپنے حال پر مستقل متواتر قائم رہنے والی اشیا کو عوامی خطاب میں، لغوی معنی

کالحاظ کرتے ہوے ''قدیم'' سے تعبیر کر دیا ہے؛لیکن اصل حقیقت کے اعتبار سے عالم کی تمام اشیاء کو حادث ہی ثابت کیا ہے۔جیسا کہ ابھی آگے آنے والے بیان سے مزید وضاحت ہوئی جاتی ہے۔(۲) آئندہ صفحات میں توحید کی جو دلیل ذکر کی گئی ہے وہ دو اصولوں پر مبنی ہے: پہلا عارضی واصلی کا اصول ہے،دوسرا حقیقۃ الشی کا اصول ہے۔سراغ نکل آتا ہے۔ایسا ہی بہ وجہِ آمد وشدِ وجودِ اشیائے حادثہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وجود اِن کا خانہ زاد نہیں،کسی نے مستعار عنایت کیا ہے،اُس [عنایت کرنے والے] میں یہ وصف خانہ زاد ہے،مستعار نہیں۔اور جو موجودات ایسے ہیں کہ ہمیشہ سے ایک حال پر چلے آتے ہیں اور کسی نے آج تک اُن کا زمانہ ؟ عدم نہیں دیکھا، جیسے: زمین،آسمان،آفتاب،قمر،کواکب۔تو گو بہ ظاہر اس تقریر سے اُن کے لیے کسی معطیِ وجود کا پتا نہیں لگتا؛پر غور سے دیکھیے،تو وہاں بھی یہی بات عیاں ہے۔

حقیقۃ الشی

اصول۵: [موجودات میں سے ہر چیز کی ''حقیقت'' اُس کے ''وجود'' سے جدا شے ہے،اِس بنا پر دو جدا چیزوں کا جیسا اجتماع ممکن ہے،ویسا ہی اُن کا افتراق بھی ممکن ہے۔]

وجہ اِس کی [شی کی ''حقیقت'' کے ''وجود'' سے جدا ہونے کی] یہ ہے کہ: با وجود اشتراکِ وجود ہر ایک کی حقیقت کو ہر کوئی جدا سمجھتا ہے۔یہ نہ ہو،تو ایک کو دوسرے سے تمیز نہ کر سکتے؛اس لیے خواہ مخواہ یہ کہنا پڑے گا کہ: وجود اَور چیز ہے اور اشیائے مذکورہ کی حقیقت اَور چیز ہے۔اور ظاہر ہے کہ دو چیزوں کا جیسا اِجتماع ممکن

ہے، ایسا ہی اُن کا اِفتراق بھی ممکن ہے۔ اور] جب ''وجود'' سے اوصاف یعنی ''حقیقت'' کا زوال اور [جدائی ممکن ہوئی، تو پھر خانہ زادی کہاں؟

نتیجہ: زمین وآسمان کا وجود بھی مستعار ہے

ناچار ہو کر یہی کہنا پڑے گا کہ اِن کا [ایک حال پر قائم رہنے والے موجودات کا] وجود بھی مستعار ہے؛ مگر [یہ بات معلوم ہے کہ ہر مستعار کے لیے کسی مُعیرِ اصلی کا ہونا ضروری ہے، تو موجودات میں بھی یہی اصول جاری ہوگا، تو جو موجود اصلی ہوگا اور [وہی مُعیرِ اصلی خدا ہے۔

(ا) آئندہ اوراق میں عقلی دلیلوں کی مزید وضاحت سے عقائد سے متعلق چند اہم امور ثابت کیے گئے ہیں۔

امرِ اول: خدا تعالیٰ کا ثبوت

اِستعارہ

اصول ۶: [موجودات، تمام کے تمام مستعار ہیں۔ ہر مستعار کے لیے کسی مُعیرِ اصلی کا ہونا ضروری ہے۔ موجودات کے لیے مُعیرِ اصلی موجودِ اصلی ہے، وہی خدا ہے]۔

[مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ:] چوں کہ ہر مستعار چیز کے لیے ایک ایسے دینے والے کی ضرورت ہے جس کے پاس کسی کی دی ہوئی نہ ہو؛ بلکہ اصلی ہو، تو بالضرور وجودِ مستعار کے لیے بھی کوئی دینے والا ہوگا۔ یعنی وجود کے لیے کوئی موصوفِ اصلی ہوگا جو خود بہ خود موصوف بالوجود یعنی موجود ہو [کسی کے موجود کرنے سے موجود نہ

ہوا ہو]، سو وہی ''خدا'' ہے اور اُسی کو بے نیازِ مطلق کہنا چاہیے، اُس کو کسی کی حاجت نہیں اور سب کو اُس کی حاجت ہے۔

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''حجۃ الاسلام'' تحقیق وتشریح از راقم فخر الاسلام ص۹۶-۵۷۔

امرِ دوم: خدا تعالیٰ کی توحید

مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ اِس قسم کا موجود سوا ایک کے متصور نہیں۔ وجہ اِس کی یہ ہے کہ: جب وجود کی وحدت مانی گئی؛ چناں چہ اوپر معروض ہو چکا، تو موجود اصلی بھی - یعنی جس کے حق میں وصفِ وجود، خانہ زاد ہو - ایک ہی ہوگا۔

موجود اصلی کا ایک ہونا

اصول ۷: [وجود سے زیادہ کوئی شے عام نہیں، وجود ایک غیر محدود شے ہے جو تمام مواقعِ وجود کو عام ہے، اس لیے وہ ایک ہی ہے اور اُس کو محدود کرنا محال ہے۔ اشیا میں جو تعدد ہے وہ اُن کی خصوصیات [''حقیقت''] کی وجہ سے ہے۔ وجود میں تعدد نہیں ہے، لہٰذا وجودِ اصلی - کہ وہی موجودِ اصلی ہے - ایک ہی ہے، موجودِ اصلی کا دو ہونا محال ہے]۔

علاوہ بریں، وجود سے زیادہ کوئی عام نہیں؛ اِس لیے اِس بات کا اقرار ضروری ہے کہ وجود ایک امر غیر محدود ہے؛ ورنہ محدود ہو، تو اُس کے اوپر ضرور ایک مرتبہ نکلے گا جس کی نسبت اُس کو محدود کہیں اور وہ [اوپر کے مرتبہ والا] اُس [محدود] سے بھی زیادہ عام ہو؛ مگر [وجود سے زیادہ کوئی عام نہیں؛ اس لیے وجود ایک امر غیر

محدود ہے۔ اور جب] وجود غیر محدود ہوگا، تو یہ معنیٰ ہوں گے کہ: [وہ وجودِ اصلی] تمام مواقعِ وجود کو محیط ہے۔(۱)

توحید کے معارض عقیدوں کا اِبطال

۱- موجود اصلی کا دو ہونا

پھر[موجود اصلی میں جو تمام مواقعِ وجود کو محیط ہو، سوا ایک کے متصور اس لیے نہیں کہ] اگر دوسرا بھی ایسا ہی ہو تو وہ کہاں جائے؟ یہ بھی احتمال نہیں کہ دو ہوں؛ پر دونوں مل کر ایسی طرح شدید ہو جائیں جیسے دو چراغ کا نور مل کر زیادہ تر چمک کا باعث ہو جاتا ہے۔[یہ احتمال اِس لیے نہیں] کیوں کہ موصوفِ اصلی [کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے کمال میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی، اُس] سے زیادہ اَور کوئی موصوف نہیں ہو سکتا۔ نہ اُس کے وصف سے زیادہ کسی کا وصف ہو سکے، خاص کر وجود اصلی [ہونے کا وصف]؛ کیوں کہ اُس سے اوپر کوئی مرتبہ نہیں۔ اِسی وجہ سے وہ غیر محدود ہوا؛ ورنہ محدود ہوتا۔(۲)[کیوں کہ] آخر یہ بھی ایک حد ہے کہ اِس سے زیادہ شدید ہو سکتا ہے۔

بالجملہ بہ روئے دلیلِ عقلی بھی خدا کی وحدانیت ضروری التسلیم ہے۔

۲- غیر کی عبادت

اور جب عقل ونقل دونوں اِس بات پر شاہد ہوں کہ خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے، تو پھر اَوروں کی عبادت ظلمِ عظیم ہوگی۔ کیوں کہ [پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ بنائے معبودیت فقط حکومت پر ہے۔ اور جو ذات تمام مواقعِ وجود کو محیط ہوگی اُسی کے قبضہ میں سب چیزیں ہوں گی، اور اُسی کی حکومت سب پر ہوگی۔ دوسری طرف

''عبادت'' اِطاعت اور نیازِ قلبی کو کہتے ہیں بہ شرطے کہ اُس کے سامنے ہو جس کو اپنے اعتقاد میں ہر طرح سے مختار اور اَوروں کو اُس کے سامنے محض بے اختیار سمجھے۔ اور] اِس [عبادت] کا مستحق اِس [حاکم ہونے کی] صورت میں سوا اُس [خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ] کے کوئی نہیں ہو سکتا۔

غیر کی عبادت، ظلم عظیم

تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ: جب کارخانہ وجود سب اُس [خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ] کی ذات سے متعلق ہوا، تو اُس [وجود سے متعلق چیزوں] کا دینا لینا اُسی کا کام ہوگا۔ جیسے آفتاب ہے، زمین کو نور عطا کرتا ہے اور وہی چھین لیتا ہے، ایسے ہی خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ بھی وجود کا دینے لینے والا ہوگا اور ہر کسی کی ذات وصفات کا وجود اُسی کی عطا ہوگا اور ہر ایک کا عدم اُسی کی طرف سے ضبطیِ وجود [سلب وجود] سمجھا جائے گا۔

(۱) توحید کے ثبوت پر دو اصولوں پر مبنی دلائل ذکر کرنے کے بعد آئندہ سطور میں اُس کے موانع]رکاوٹیں[کا ازالہ فرمایا گیا ہے۔

(۲) اور موجودِ اصلی کے ساتھ ایک اَور کے ہونے کی حکمت میں جو یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ دونوں مل کر ایسی طرح شدید ہو جائیں جیسے دو چراغ کا نور مل کر زیادہ تر چمک کا باعث ہو جاتا ہے، یہ بھی موجودِ اصلی کو محدود کرنا ہی ہوا۔

امرِ سوم: خدا تعالیٰ کا واجب الاطاعت ہونا

واجب الاطاعت ہونے کا منشا نفع ونقصان کا مالک ہونا

اصول ۸: [خدا تعالی جس طرح تمام موجودات کا مالک ہے، اُسی طرح نفع ونقصان کا بھی مالک ومختار ہے۔ اور عبادت، اِطاعت اور نیاز قلبی اُسی کو سزاوار ہے، جس کو نفع ونقصان کا اصل اختیار ہو]۔

اسبابِ اِطاعت: امیدِ نفع، اندیشہء نقصان

اور ظاہر ہے کہ اطاعت کا باعث یہ ہی نفع [یعنی عطا] کی امید یا نقصان [وسلب] کا اندیشہ ہوا کرتا ہے۔ نوکر اپنے آقا کی خدمت تنخواہ کی امید پر کرتا ہے اور رعیت اپنے حاکم کی اطاعت یا مظلوم ظالم کی تابع داری نقصان کے اندیشہ سے کیا کرتا ہے۔ خداوندِ عالم میں جب یہ دونوں [نفع وضرر کی] قدرتیں بہ درجہ تمام موجود ہوں، تو پھر اُس کی اطاعت نہ کی جاوے تو اَور کس کی کی جاوے؟ اور سوا اُس کے اُسی طرح اَور کسی کی اِطاعت کی جائے تو کیوں کی جائے؟ اور کون ہے جس کو نفع یا نقصان کا اصل میں اختیار ہو؟ یہ اختیار تو جب ہو جب کہ وجود خانہ زاد ہو۔

انبیا وعلماء کی اِطاعت

ہاں، اُس کے نائبوں کی تابع داری - یعنی اُن لوگوں کی اِطاعت جو اُس کے حکم سناتے ہیں - خود اُسی کی اطاعت ہے، وہ محض پیغام رساں ہیں اور سب احکام اُسی کے ہیں۔ اِس صورت میں سوا خدا کے اَوروں کی عبادت جیسے ہنود ونصاریٰ کرتے ہیں، بالکل خلافِ عقل ونقل ہوگی۔ اِس کا مستحق سوا خدائے تعالیٰ کے اَور

کوئی [بالذات] نہیں ہوسکتا۔(۱)

محتاج و مجبور، مطاعِ مطلق نہیں ہوسکتا

خاص کر حضرت عیسیٰ؟ اور سری رام اور سری کرشن کو معبود کہنا، یوں بھی عقل میں نہیں آ سکتا

(۱) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے تشریح تصفیۃ العقائد از راقم الحروف: ص ۲۷، ۷، ۳۰ جہاں انبیا کے بالعرض مطاع ہونے کی تفہیم کرانے کے ساتھ انبیا اور علما میں اطاعت کے لحاظ سے فرق واضح کیا گیا ہے۔

کہ وہ کھانے پینے کے محتاج تھے، پاخانہ پیشاب، مرض اور موت سے مجبور تھے، خدائے تعالیٰ وہ ہوگا جو ہر طرح سے غنی اور بے نیاز ہو محتاج اور مجبور – اور وہ بھی ایسی ایسی چیزوں کے سامنے جیسے پاخانہ پیشاب – خدا نہیں ہوسکتا، جو ایسا محتاج و مجبور ہو اُس میں خدائی کہا؟۔

تِس پر] مذکورہ حضرات کے مجبور محتاج ہونے کی حقیقت واشگاف ہونے کے بعد بھی [نصاریٰ کا یہ قول کہ: ''خدائے تعالیٰ تین ہو کر پھر ایک ہے'' ایسا ظاہر البطلان ہے کہ کسی عاقل کی عقل اِس کی تجویز نہیں کر سکتی، یہاں تک کہ خود نصاریٰ بھی بہ روئے عقل اَوروں ہی کے ہم صفیر] وہم آواز [ہیں۔ اگر کہتے ہیں، تو یہ کہتے ہیں کہ: مِن جملہ اسرارِ خداوندی ہے، ہماری عقولِ ناقصہ میں نہیں آ سکتا۔

(۱) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ''حجۃ الاسلام''، تحقیق وتشریح راقم فخر الاسلام۔۱۳۱، ۲۳۱، ۳۳۱۔

امرِ چہارم: نبوت کی ضرورت

احکامِ خداوندی کی دریافت میں عقل کی نارسائی

مگر] بہرحال[، جب یہ معلوم ہوگیا کہ] خدا تعالیٰ نفع وضرر کا مالک ہے، وہی حاکم، مطاع ومحبوب ہے اور[مستحقِ عبادت بجز خداوند وحدہٗ لاشریک لہٗ اَور کوئی نہیں، تو اَور سنیے: عبادت بہ معنیٰ اطاعت ہے، اور اِطاعت دوسروں کی رضا کے موافق کام کرنے کو کہتے ہیں؛ پر دوسرے کی رضا، عدم رضا بے اُس کے بتلائے معلوم نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ خود کسی طرح اظہار نہ کرے تو پھر اُس کے ظہور کی کوئی صورت نہیں۔] تقریبِ فہم کے لیے عرض ہے کہ:[

ہم باوجود یکہ جسمانی ہیں، کثافت ہماری ذات کے ساتھ ہے،] جسمانی ہونے اور حواس سے محسوس کیے جاسکنے کے باوجود[ہمارا مافی الضمیر اور ہماری رضا، غیر رضا کی بات تو بے ہمارے اِظہار کے ہو ہی نہیں سکتی، خواہ سینے سے سینہ ملا دیں، خواہ دل کو چیر کر دکھلا دیں،] تو[خداوند عالم جو لطیف اور خبیر ہے اُس کے مافی الضمیر اور اُس کے دل کی بات کو بے اُس کے بتلائے کوئی کیا جانے؟(۱)

غرض، اِطاعتِ خداوندی کے لیے اِس کی ضرورت ہے کہ وہ خود اپنے احکام سے مطلع فرمائے، عقلِ نارَسا سے اِس بات میں کام نہیں چل سکتا؛ کیوں کہ اگر بالفرض ہزاروں باتوں میں سے کسی ایک بات کی بھلائی برائی ہزاروں میں سے کسی ایک دو کو معلوم بھی ہو جائے، تو کیا ہوا؟ اُس] خدا[کی خودمختاری سے یہ کیا بعید ہے کہ وہ اپنے احکام میں اِن باتوں] جن کی بھلائی برائی کسی شخص کو معلوم ہوگئی ہے[کا پابند

نہ رہے؟] خدائے تعالیٰ کے لیے [اگر کسی بات کی تخصیص بہ وجہِ کسی مجبوری کے ہے، تو حاکم نہیں، محکوم ہے۔ اور محکوم کی خدائی اور معبودیت معلوم! اور] جب [مجبور نہیں، تو اختیارِ تغیر وتبدلِ احکام ضروری ہوگا جس سے حسن وقبح کی پابندی نہ رہے گی۔

بالجملہ، دربارہ احکام، انتظارِ اظہارِ خداوندی ضرور] ی [ہے۔] اور اِس اظہار ہی کا ذریعہ منصبِ نبوت ہے۔ [

مگر جب سلاطینِ دنیا اپنے احکام بہ ذاتِ خود ہر مکان و ہر دوکان پر جا کر ہر کسی کو نہیں سناتے، وہ خداوند احکم الحاکمین۔ جس کی شوکت اور حکومت کے سامنے سلاطینِ دنیا کی حکومت اور شوکت کو کچھ نسبت ہی نہیں۔ کیوں کر ہر کسی سے کہتا پھرے گا۔ جیسے: بادشاہانِ دنیا اپنے مقربوں سے اپنے احکام کہا کرتے ہیں اور وہ اَوروں کو پہنچا دیا کرتے ہیں، خداوندِ کریم بھی اپنے احکام مقربوں کے ذریعہ سے اَوروں کو پہنچائے گا۔

امرِ پنجم: نبوت کی علامات وصفات

۱۔ مطیع ومقرب ہونا

مگر جیسے یہاں کے بادشاہوں کے مقرب وہی ہوتے ہیں جو بادشاہ کے موافقِ مرضی اور خیر خواہ ہوتے ہیں اور بجز اطاعت، بوئے سرتابی بھی اُن میں نہیں ہوتی؛ ورنہ مقرب نہ رہیں، معتوب ہو جائیں، ایسے ہی خدائے تعالیٰ کے مقرب بھی وہی ہو سکتے ہیں جو سراپا اطاعت ہوں اور شائبہ ؟ اِنحراف بھی اُن میں نہ ہو۔

خدا کی جانب سے اِنتخاب میں غلطی ممکن نہیں

اِتنا فرق ہے کہ بادشاہانِ دنیا کو موافقِ مرضی اور خیر خواہ اور سراپا اطاعت وغیرہ کے سمجھنے میں غلطی بھی ہو جاتی ہے؛ اِس لیے عزل ونصب، وعتاب وعنایت ہوتی رہتی ہیں۔ اور خداوندِ علیم خبیر سے کسی بات کے سمجھنے میں غلطی نہیں ہو سکتی۔] توضیحِ حقیقت کے امر میں موجودِ اصلی کا علم مثل آفتاب ہے[۔

خدا میں غلطی کا اِمکان خدائی کو مجروح کرتا ہے

ورنہ اُس کے علم کو در بارہ؟ توضیحِ حقیقت ایسا کہنا پڑے گا جیسا قمر وکواکب کے نور سے بہ وجہِ نقصان بہت باریک چیزیں اور باریک فرق محسوس نہیں ہوتے۔ اور ظاہر ہے کہ جس کا وجود کامل ہو اُس کی کسی بات میں نقصان متصور نہیں؛ ورنہ وجود میں نقصان لازم آئے گا۔

خدا کا علم بھی کامل اور اِنتخاب بھی کامل

مگر جب اُس کا علم کامل ہوا اور اِس وجہ سے اُس کو کسی کے موافقِ مرضی اور ظاہر وباطن] دونوں طریقوں سے[مطیع سمجھنے میں غلطی ممکن الوقوع نہ ہوئی، تو جن کو اُس نے اپنا مقرب بنایا ہوگا اُن کا معزول ہونا اور اپنے عہدہ؟ احکام رسانی سے موقوف ہو جانا بھی خلافِ عقل ہوگا۔

الحاصل! انبیا میں کوئی ایسی بات نہ ہوگی جو ناپسندیدہ؟ خداوندی ہو۔

۲-اعلیٰ عقل، اعلیٰ اخلاق

اور ظاہر ہے کہ اِس صورت میں اُن کے تمام اخلاق کا حمیدہ ہونا اور تمام قُوائے علمیہ کا گُزیدہ] اعلیٰ[ہونا لازم آئے گا جس سے اُن کی معصومیت کا اقرار کرنا

پڑے گا؛ کیوں کہ جب بری صفت ہی نہیں اور فہم کامل ہے، یعنی قوت علمیہ اچھی ہے، تو پھر اعمالِ ناشائستہ کے صادر ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں۔

اخلاقِ حمیدہ کے لیے عصمت لازم ہے

ہر فعل کے صادر ہونے کے لیے ایک قوت یعنی ایک صفت کی ضرورت ہے: دیکھنے کے لیے بینائی چاہیے، سننے کے لیے شنوائی چاہیے، ایسے ہی اچھے اعمال کے لیے اچھی صفت کی ضرورت ہے اور برے کے لیے بری صفت کی حاجت۔ جب بری صفات سے وہ لوگ]انبیائے کرام[مبرا ہوئے، تو برے افعال سے بہ درجہ ؟ اولیٰ معصوم ہوں گے۔

چند مسائل

۱-تقرب اور مسئلہ شفاعت

[نبوت کی علامات پر گفتگو کرتے ہوئے ابتدا میں حضورﷺ کا مطیع ومقرب ہونا ثابت کیا جاچکا ہے، جس سے یہ بات پورے طور پر واضح ہوگئی کہ حضورﷺ اطاعت مجسم ہیں، اِسی پر بنا رکھتے ہوئے آگے فرماتے ہیں:]

متعلق عقیدہ کفارہ

اصول۹:[بخشش وعذاب کا اختیار محکوم کو نہیں، کوئی کسی کے گناہ کا مجرم نہیں، لہذا عقیدہ کفارہ خلافِ عقل ہے]۔

مگر جب [حضورﷺ مقرب ہونے کے ساتھ] سراپا اِطاعت یعنی ہر طرح سے]خدا تعالیٰ کے [محکوم] ہی [ہوئے، تو پھر اُن کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنے طور پر جسے

چاہیں بخش دیں، جسے چاہیں عذاب دینے لگیں، یہ اختیار ہو تو محکوم نہ رہیں، حاکم ہو جائیں۔

شفاعت وسفارش ممکن ہے

ہاں، یہ بات البتہ متصور ہے کہ وہ کسی کے لیے دعا، کسی کے لیے بددعا کریں، کسی کے حق میں کلمۃ الخیر، کسی کے حق میں برا کلمہ کہیں، مگر جب وہ ہر طرح سے مقدس مانے گئے، تو وہ اپنے خیر خواہوں کے خیر خواہ ہی بنیں گے، بدخواہ نہ ہوں گے، کلمۃ الخیر ہی کہیں گے، کوئی برا کلمہ نہ کہیں گے۔ سو، اِسی کو ''شفاعت'' کہتے ہیں۔ القصہ، رسولوں اور پیغمبروں کی شفاعت ممکن ہے۔

۲-عقیدہ کفارہ

پر حضرت عیسیٰ ں کا کفارہ ہو جانا ممکن نہیں، یعنی یہ بات جو عیسائیوں کے اعتقاد میں جمی ہوئی ہے کہ حضرت عیسیٰ ں اُمتیوں کی طرف سے ملعونِ خدا ہوئے، نعوذ باللہ! اور تین دن تک اُن کے عوض جہنم میں رہے، ہرگز قرینِ عقل نہیں۔

متعلق اِجتماعِ ضدین

اصول ۱۰: [کثرتِ حقیقی اور وحدتِ حقیقی کا اِجتماع محال ہے۔ اس لیے توحید کے ساتھ معبودوں کی کثرت کا عقیدہ باطل ہے]۔

کیوں کہ محبوب میں وجہِ محبت اور عدو میں سببِ عداوت چاہیے۔ مرحوم میں باعثِ رحمت اور ملعون میں موجبِ لعنت] کا پایا جانا [ضرور] ی [ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حسن تو کسی میں نظر آئے اور محبوب کسی کو بنائے، اِطاعت تو کسی میں نظر آئے اور

رحمت کسی اَور پر کریں یعنی خوش کسی اَور سے ہو جائیں، بد منظر تو کوئی اَور ہو اور نفرت اور ہیبت اُس سے ہو جس میں حسنِ خداداد نظر آئے، اور ناخوشی کی باتیں تو کوئی اَور کرے اور لعنت اُس پر ہو یعنی ناخوش اُس سے ہو جائیں جو ہر طرح سے مطیع ہو۔ سو، ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی کسی کی اطاعت کا مستحق نہیں، اور کوئی کسی کے گناہ کا مجرم نہیں۔

القصہ، اعتقادِ کثرتِ معبودان] کہ جس کا ذکر ''توحید کے معارض عقیدوں کا ابطال'' کے ذیل میں آچکا ہے [اور اعتقادِ کفارہ، دونوں مخالفِ عقل ہیں اور دونوں سراسر باطل ہیں۔

[عقیدہء کفارہ کی گفتگو تو ختم ہوئی، آگے بدیہی اصولوں کے ذریعہ عقیدہ تثلیث کے مغالطہ کا ازالہ فرماتے ہیں۔]

متعلق اِدراکِ عقل بلا واسطہ دلیل بہ واسطہ دلیل

اصول ۱۱: [جو بات عقل کے نزدیک بے دلیل مسلّم ہو اُس کے مقابلے میں دلیلیں کار آمد نہیں، چناں چہ کہ جو بات بے واسطہ ؟ دلیل غلط نظر آئے، وہ ''دیدہ'' کے مانند ہوتی ہے اور جو دلیل کے ذریعے ثابت کی جائے ''شُنیدہ'' کے مانند ہے اور ''شُنیدہ'' ''دیدہ'' کے مقابلہ نہیں کر سکتی]۔

پھر اِس پر کثرتِ معبودوں کے ساتھ وحدت کا اعتقاد تو کسی کے نزدیک قابلِ تسلیم نہیں، چھوٹے سے لے کر بڑے تک اور بوڑھے سے لے کر جوان اور لڑکے تک، اہلِ عقل، کامل العقل ہوں یا ناقص العقل، یہاں تک کہ خود نصاریٰ بھی بہ روئے عقل وحدت اور کثرتِ حقیقی کا اجتماع] یعنی کسی چیز کا بہ یک وقت ایک بھی ہونا اور کئی

بھی ہونا [من جملہ محالات سمجھتے ہیں۔

متعلق امر محال اور دلیل نقلی

اصول ۱۲: [خدا اور سول کی جانب سے امر محال کی خبر نہیں دی جاتی۔ خبر کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کی خبر دی جارہی ہے، وہ ممکن ہو۔ اصولِ دین میں محال کا ہونا، مذہب کے باطل ہونے کی دلیل ہے]۔

ہر عاقل کی عقل کو بے دلیل] یہ [بات غلط معلوم ہوتی ہے، اور جو بات عقل کو بے دلیل غلط معلوم ہوتی ہو یعنی اُس کے غلط سمجھنے میں عقل کو دلیل کی حاجت نہ ہو، دلیل کا بیچ میں واسطہ نہ ہو، تو پھر اُس کے اِثبات کی ایک کیا، ہزار دلیلیں بھی ہوں، تو کیا ہوا؟ ہرگز مُثبِت مدعا نہیں ہوسکتیں، اور ہوں تو کیوں کر ہوں۔ ع:

''شُنیدہ کے بود مانند دیدہ''۔

جو بات بے واسطہ غلط نظر آئے وہ مثل دیدہ ہے، اور جو بات بہ روئے دلیل صحیح کہی جائے وہ مثل شُنیدہ ہے۔

مثال:

اور اِس کی ایسی مثال ہے جیسے قریب غروب کوئی عالم، فاضل، ریاضی داں، اپنے فنون میں یکتائے روزگار بہ وسیلہ ؟ جیبی گھڑی یوں کہے کہ: آفتاب غروب ہوگیا، اور ایک جاہل کندہ؟ ناتراشیدہ کہیں اونچے] مقام [پر کھڑا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ آفتاب کا کنارہ ہنوز باہر ہے، تو جیسے یہ شخص باوجودیکہ اپنے جہل اور اُس کے علم وفضل کا معتقد ہو، اور گھڑیوں سے اوقات شناسی اور اُن کی غلطی اور صحت کو نہ جانتا

ہو، پھر بھی اپنے مشاہدہ کے سامنے اُس عالم کے قولِ مدلل کو نہیں مانتا اور ایک عالم کا کیا، ہزار عالم بھی مل کر بہ وسیلہ جیبی گھڑی غروب کا دعوی کریں، تب بھی سب کو غلط کہتا ہے، ایسے ہی عقل حقیقت بیں (۱) اپنے اِس علم کے سامنے جو بے واسطہ بہ منزلہ

مشاہدہ

ایسے مضامین کے محال ہونے کی نسبت حاصل ہے، اُن مضامین کو جو بہ وسیلہ ذہن میں آئیں، اگر چہ بڑے بڑے دانش منداُس طرف ہوں، غلط سمجھنے لگے گا۔

امر محال اور دلیلِ نقلی

متعلق عقل رہبر

اصول۱۳: [عقل رہبر دین ودنیا ہے، جو بات عقل کی نظر میں محال ہو، اُس کا رد کرنا واجب ہے۔ اور جو ممکن ہو اور نقلِ صحیح اُس کے واقع ہونے کو بتاتی ہو اُس کے وقوع کا قائل ہونا ضروری ہے۔]

غرض، جیسے وہ شخص گھڑی کی بات کو غلط سمجھتا ہے اور خود گھڑی کی نسبت کہتا ہے: ہونہ ہو یہ ہی غلط ہے، میرا مشاہدہ غلط نہیں، گو یہ نہ جانے گھڑی میں کیا غلطی ہے اور کہاں نقصان ہے؟ ایسے ہی عقل عام وخاص اپنے مشاہدہ؟ استحالہ کے سامنے انجیل کے دعوائے تثلیث کو- اگر بالفرض اُس کے کسی ایسے فقرے سے نکلتا ہو جس میں احتمالِ الحاق بھی نہ ہو چہ جائے کہ یقینِ الحاق- ہرگز قبول نہ کرے گی؛ بل کہ خود انجیل ہی کو غلط کہے گی، اور یہ کہے گی کہ: ہونہ ہو اِس میں غلطی ہے، گو یہ نہ جانے کہ کہاں کہاں غلطی ہے؟

ہاں، بعض مضامین ایسے ہوتے ہیں کہ استحالہ تو معلوم نہ ہو؛ پر اُن کی حقیقت بھی کچھ معلوم نہ ہو؛ بل کہ اُن کی حقیقت میں حیران ہو] ایسی چیزیں مستبعد کہلاتی ہیں[۔(۲)

(۱) یہی قرینِ قیاس ہے؛ لیکن تمام نسخوں میں ''حقیقت میں'' درج ہے۔

(۲) ''مولوی محمد قاسم صاحب اِس قسم کی تقریر فرمارہے تھے، جو پادری صاحب نے اطلاع کی کہ پندرہ منٹ ہو چکے۔ تقریر مذکور کے ناتمام رہ جانے کا اہلِ اسلام کو افسوس رہا۔۔۔'' (مرتب روداد) اصل میں عیسائیوں کی جانب سے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تقریر پر ایک بے سر پیر کا یہ اعتراض کر دیا گیا تھا کہ: ''مولوی صاحب نے اپنے مذہب کے فضائل کچھ بیان نہ فرمائے، ہمارے مذہب پر اعتراض کر دیے۔'' حالاں کہ جو کچھ بیان کیا گیا تھا وہ اسلام ہی کے اِثبات کے لیے تھا۔

دوسری تقریر

مرتب روداد لکھتے ہیں: ''دوسرے روز مولانا محمد قاسم صاحب بیان کے لیے کھڑے ہوئے۔۔۔ اور نامِ خدا توحید و رسالت کا ذکر چھیڑا۔ توحید کے متعلق جو کچھ گفتگو اِس دن ہوئی، وہ خوب یاد تو نہیں رہی، پر اغلب یہ ہے کہ: روزِ اول کی گفتگو کے قریب قریب تھی؛ مگر ہاں، اِسی کے ساتھ یہ بھی بیان تھا کہ مسلمان توحید کے اوپر اس درجہ مستقیم ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو سب میں افضل سمجھتے ہیں اور بعد خداوند عالم اُنہیں کو جانتے ہیں؛ مگر بہ ایں ہمہ، ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا بھی - جو آدابِ عبودیت میں سے ادنی درجہ کا ادب ہے - اُن کے لیے جائز نہیں سمجھتے۔

پھر اِس کے بعد ضرورتِ رسالت میں - غالباً وہی تقریر بیان کر کے جو اول روز کی تھی - ایک تقریر بیان کی'' جو بنائے نبوت کی تنقیح، فہم و اخلاق میں انبیاء کا اصل ہونا، حضور ﷺ کا افضل الانبیاء ہونے وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اِس کے بعد پادری نولس کی تقریر متعلق تثلیث اور اعتراض متعلقِ تقدیر بھی ذکر کر دیا گیا ہے کیوں کہ آگے حضرت نانوتویؒ کی تیسری تقریر میں پادری نولس کے ہی دعویٰ اور اعتراض کا جواب مذکور ہے، جس میں دعویٰ کا مغالطہ ہونا، عقیدہ میں محال بات کا قائل ہونا اور اعتراض کا بے عقلی و بے فہمی پر مبنی ہونا واضح کیا گیا ہے۔ اور اخیر میں امر کی مناسبت سے خیر و شر کی حقیقت بھی واشگاف کی گئی ہے۔

نوٹ: نبوت پر گفتگو جو ص: ۴۲، ۵۲ پر موجود ہے، وہاں نبوت کی علامات و اوصاف ذکر کیے جا چکے ہیں اب یہاں بنائے نبوت کی تنقیح فرما رہے ہیں: راقم فخر الاسلام

بِنائے نبوت کی تنقیح

اب اِس کا دیکھنا ضرور [ی] ہے کہ کون نبی ہے، کون نہیں؛ مگر یہ بات بے تنقیحِ اصل و مبنائے نبوت [نبوت کے مبنیٰ و منشا کی تنقیح کے بغیر] معلوم نہیں ہو سکتی۔

سو بہ ظاہر دو احتمال ہیں: ۱- مبنائے نبوت یا تو معجزات ہوں۔ ۲- یا اعمال صالحہ۔

معجزات، نبوت کی بنیاد نہیں

مبنائے نبوت کو معجزات پر تو مبنی نہیں کہہ سکتے۔ بنائے نبوت معجزات پر ہو تو یہ معنیٰ ہوں کہ: اول معجزہ ظاہر ہولے جب نبوت عنایت ہو؛ مگر سب جانتے ہیں کہ

امتحانِ معجزات کے بعد نبوت عنایت نہیں ہوتی؛ بلکہ عطائے نبوت کے بعد معجزات عنایت ہوتے ہیں۔

اعمالِ صالحہ بھی نبوت کی بنیاد نہیں

علیٰ ہذاالقیاس اعمالِ صالحہ کو مبنائے نبوت نہیں کہہ سکتے، عملِ صالح اُسی کو کہتے ہیں جو خدا کے موافقِ مرضی ہو، سو خدا کے حکم، احکام کے معلوم ہونے کے لیے ہی تو نبوت کی ضرورت پڑی ہے، اور اعمالِ صالحہ کا علم اور اُن کی تعمیل خود نبوت پر موقوف ہے، نبوت اُن پر کیوں کر موقوف ہوگی جو اُن کو مبنائے نبوت کہیے!

بنائے نبوت، اخلاقِ حمیدہ ہیں

اور سوا اعمال و معجزات اُس کے لیے اگر نظر پڑتی ہے تو اخلاقِ حمیدہ پر پڑتی ہے، اِن کا حصول نبوت پر موقوف نہیں، آدمی کی ذات کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر کسی کے اخلاق، حمیدہ یعنی موافقِ مرضیِ خداوندی ہوں گے، تو پھر نظرِ عنایتِ خداوندی اُس کے حال پر کیوں نہ ہوگی!

فہم واخلاق میں انبیا اصل ہوتے ہیں اور امتی فرع

لیکن اتنی بات اَور قابلِ گزارش ہے کہ: جیسے انوار میں باہم فرقِ مراتب ہے، آفتاب وقمر وکواکب وآئینہ ہائے قلعی دار وذرات وزمین میں دیکھیے کتنا فرق ہے! ایسے ہی اخلاق میں بنی آدم باہم متفاوت ہیں، سو جو لوگ فہم واخلاق میں بہ منزلہ شمس وقمر وکواکب ہوں وہ تو نبی ہو سکتے ہیں، اور جو لوگ بہ منزلہ ؟ آئینہ وذرہ وزمین مستفیض ہوں وہ لوگ سب امتی ہوں گے، یوں کوئی ولی یا صالح ہو تو ہو۔

غرض، انبیا کی حقیقت امتیوں کے حقائق کے فہم واخلاق کی اصل ہوتی ہے، جیسے آفتاب وقمر وکواکب، آئینوں اور ذروں اور زمین کے انوار کی اصل ہیں۔سو، جو لوگ در بارہ؟ اخلاق اصل ہوں، قابلِ انعام ہوں گے؛ کیوں کہ جب اَوروں سے اوپر ہوئے، تو خداوند عالم- جو سب سے عالی مراتب ہے- اُن سے بہ نسبت اَوروں کے قریب ہوگا؛ اس لیے تقربِ مشارالیہ- جو نبیوں کو ضرور] ی[ہے-] نبیوں کے لیے تقربِ خداوندی جس کا اشارہ اوپر کیا گیا[اُنھیں کو میسر آئے گا، اور خلافتِ خداوندی کے مستحق وہی ہوں گے؛ کیوں کہ بادشاہ کی ماتحتی اور اُس کی خلافت بہ جز مقربانِ درگاہ اَور کسی کو مُیسر نہیں آسکتی۔سو، نبوت میں بہ جز خلافتِ خداوندی اَور کیا ہوتا ہے؟ جیسے حکّامِ ماتحت کے احکام بعینہٖ وہ احکامِ بادشاہی ہوتے ہیں، ایسے ہی انبیا علیہم السلام کے احکام بعینہٖ احکام خدائے تعالیٰ ہوتے ہیں۔ بالجملہ! بنائے نبوت اخلاقِ حمیدہ کے کمال پر ہے۔

امرِ ششم: حضور ﷺ کا افضل الانبیاء ہونا

مگر ہم نے غور سے دیکھا تو اخلاق میں رسول اللہ ﷺ سے کسی کو بڑھ کر نہ پایا(۱)۔ آپ کے اخلاق کی ایک تو یہی بڑی دلیل ہے۔

اخلاقِ محمدی اور جہاد

[لیکن اِسی اخلاق میں جہاد بھی شامل ہے] جو اَوروں کے نزدیک موجب ِ اعتراض ہے۔

اور لوگ جہاد کو بڑا اعتراض اِس مذہب پر سمجھتے ہیں؛ مگر قطع نظر اِس سے کہ جہاد اَور

دینوں میں بھی تھا،اور عقلِ سلیم کے نزدیک بے شک ایک عمدہ سامانِ تہذیبِ عالم اور ذریعہ رفعِ شرک والحاد وفتنہ وفساد ہے(۲)،] یہ جہاد [بے لشکرِ جرار ممکن نہ تھا،سو یہ لشکرِ جرار جس نے روم وشام وعراق وایران ومصر ویمن کو زیروزبر کردیا،آپ کو کیوں کر میسر آیا؟ بہ ظاہر سامانِ فراہمی امرِ لشکر(۱) دنیا میں دو دِکھتے ہیں:

۱-مال ودولت

۲-یا حکومت کی جبر وتعدّی؛

سوآپ ﷺ میں دونوں نہ تھے:آپ کہیں کے بادشاہ نہ تھے،بادشاہ زادے نہ تھے،تاجر نہ تھے،جاگیردار نہ تھے،تعلُّقہ دار نہ تھے،جو یوں کہیے:لشکر نوکر رکھااور یہ کارِنمایاں کر دکھایا۔حاکم نہ تھے،جابر نہ تھے جو یوں کہیے:ایک ایک-دودو آدمی گھر پیچھے-مثلاً:جیسے بعض سلطنتوں کے قصے سنتے ہیں-منگا بھیجے اور یہ سانحہ برپا کیا۔

اخلاق محمدی اور تسخیرِ خلائق

بہ جز اخلاق اَور کیا چیز تھی جس نے یہ تسخیر کی؟اور برابر کے بھائیوں کو ایسا مسخر کر دیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں خون گرائیں!پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دوروز کا ولولہ تھا،ہو چکا؛عمر بھر یہی

(۱) مکتبہ حفظ القرآن دیوبند ۱۳۹۲ھ کے نسخے میں ’’اخلاق میں رسول‘‘ کے بجائے’’اخلاقِ رسول‘‘ ہے۔

(۲) جہاد کی علت وتوجیہ کا مضمون کتاب’’حجۃ الاسلام‘‘ میں زیادہ وضاحت سے بیان

کیا گیا ہے۔

کیفیت رہی۔ آپ ہی کے پیچھے گھر سے بے گھر ہوئے، زن و فرزند کو چھوڑا، گھر بار سب پر خاک ڈالی، خویش و اَقربا سے لڑے، اُن کو مارا یا اُن کے ہاتھوں مارے گئے۔ یہ آپ کے اخلاق اور آپ کی محبت نہ تھی، تو اَور کیا تھا!

غرض! ملکِ عرب جیسے بے پیروں، خودسروں کو ایسا مٹھی میں لیا کہ کسی نرم مزاج، غریب طبیعت کے لوگوں کے کسی گروہ کی نسبت بھی ایسی تسخیر آج تک کسی نے نہ سنی ہوگی۔ ایسے اخلاق کوئی بتلائے تو سہی! حضرت آدم ں میں تھے؟ یا حضرت نوح ں میں تھے؟ یا حضرت ابراہیم ں میں تھے؟ یا حضرت موسیٰ ں میں تھے؟ یا حضرت عیسیٰ ں میں تھے؟ یا کسی اَور میں تھے؟ انصاف سے کوئی صاحب بتلائیں تو سہی! اِس قسم کے اخلاق کا کوئی اَور شخص ہوا ہے؟

تبصرہ از مرتبِ ''روداد گفتگوئے مذہبی''

یہی تقریر ہو رہی تھی اور لوگوں پر ایک کیفیت تھی، ہر کوئی ہمہ تن گوش ہو کے مولوی صاحب کی جانب تک رہا تھا، کسی کی آنکھوں میں سنتے ہیں آنسو، کسی کی آنکھوں میں حیرت (۱)، پادریوں کی یہ حالت کہ ششدر و بے حس وحرکت،] یہی کیفیت تھی کہ [جو پادری صاحب نے] مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو [اطلاع دی آپ کا وقت ختم ہو چکا، سننے والوں کو اَرمان رہ گیا۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے فرمایا: صاحبو! تنگیِ وقت سے معذور ہوں؛ ورنہ اِن شاء اللہ شام کر دیتا۔ جو کچھ کہا، دریا میں کا ایک قطرہ سمجھیے۔] بیان کی عظمت اور معلومات کی وسعت کا اعتراف کرتے ہوئے [موتی میاں صاحب (۲) نے پکار کر کہا: صاحبو! سنو! جو کچھ بیان ہوا، یہ دریا میں کا ایک قطرہ

ہے۔ خیر! جناب مولوی محمد قاسم صاحب تو اپنی جائے پر جا بیٹھے اور پادری صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا:

(۱) مکتبہ حفظ القرآن دیوبند ۱۳۹۲ھ کے نسخے میں لفظ ''سامان'' نہیں ہے، صرف ''فراہمیِ لشکر'' ہے: ف۔

توحید کے ساتھ تثلیث کا خلط

از پادری نولس

[دوسری تقریر] کے پہلے پیراگراف میں حضرت نانوتویؒ نے فرمایا تھا کہ: ''مسلمان توحید پر اس درجہ مستقیم ہیں'' الخ پادری صاحب کا اِسی پر تبصرہ ہے[:

واقعی مسلمانوں میں توحید بہت عمدہ ہے، پر، کاش! اِس کے ساتھ تثلیث کا بھی اُن میں اعتقاد ہوتا! پھر اِس کے بعد اول تو عہدِ عتیق کی کسی کتاب کا حوالہ دے کر کہا کہ: دیکھو! اِس سے بھی تثلیث ثابت ہوتی ہے۔ اِس کے بعد دلائلِ عقلیہ پر جھکے اور بہ زعمِ خود یہ ثابت کیا کہ: توحید بے تثلیث سمجھ ہی میں (۱) نہیں آتی، اور توحید بے تثلیث ممکن ہی نہیں۔ فرماتے ہیں: دیکھو! ہم ایک کا ہندسہ لکھتے ہیں اور اُس میں طول بھی ہوتا ہے، عمق بھی ہوتا ہے] اور عرض بھی ہوتا ہے[۔ وہ ہندسہ ایک ہے؛ پر بے اِن تین باتوں کے موجود نہیں ہوسکتا۔ آدمی کی روح ایک ہے؛ مگر اُس میں خواہش بھی ہے، قوتِ خیالیہ بھی ہے اور خدا جانے ایک کوئی اور چیز کہی] مثلاً: نفع وضرر کی تمیز کے لیے قوت عاقلہ بھی ہے[اور کہا: دیکھو! روح ایک ہے؛ پر، بے اِن تین باتوں کے ہو نہیں سکتی۔ دیکھو! درخت ایک ہے؛ پر اُس میں جڑ بھی ہے، شاخیں بھی ہیں، پتے بھی

ہیں۔ وہ ایک بے اِن تین چیزوں کے نہیں ہوتا۔

(۱) تھی، تقریر کا ایسا اثر تھا کہ سننے میں یہ آیا کہ کسی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کسی کی آنکھوں میں حیرت کا سماں نظر آیا۔

(۲) مولوی محمد طاہر صاحب، عرف: ''موتی میاں'' رئیس شاہ جہاں پور، جو مولوی مدن صاحب کی اولاد میں سے ہیں، جو مشاہیر علمائے ہند میں سے تھے، اور بالفعل عمدہ آنریری مجسٹریٹی پر ممتاز ہیں، سرکار کی طرف سے مہتمم مقرر ہوئے تھے۔ (گفتگوئے مذہبی ص:۴، پیر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی) مولوی مدن صاحب اپنے وقت کے مشہور لوگوں میں سے تھے، اِن کا تذکرہ اکبر الٰہ آبادی کے اشعار میں ملتا ہے:

بڑھائی شیخ نے ڈاڑھی بہت سن کی سی

مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

یہ شعر بعد میں ضرب المثل کی شکل اختیار کر گیا۔

اِلتزام سے تجاوز

غرض، اِثباتِ تثلیث میں یہ دل فریب باتیں کرتے کرتے تقدیر کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ فرمایا کہ: مسلمانوں کے مذہب میں ایک اور نقصان ہے کہ اُن کے ہاں تقدیر کی تعلیم کی جاتی ہے اور اس کی سند میں کہا: سورہ؟ تغابن میں ہے: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (۲)[التغابن:۲] جس کے یہ معنیٰ ہیں: ''اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو اِس طرح کہ کوئی تم میں سے کافر اور کوئی مومن

ہے''۔

امام قاسم کا انتباہ

اِس پر مولوی محمد قاسم صاحب بولے: پادری صاحب! مَیں کچھ عرض کیا چاہتا ہوں، ایک دو بات کہہ لوں، پھر آپ فرمائے جائیے گا: (۱) کل آپ ہم پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ: آپ نے اپنے مذہب کے فضائل نہ بیان کیے، ہم پر اعتراض کردیے۔ آج آپ نے بھی وہی شیوہ اختیار کیا؟ دوسرے اِس مسئلہ ؟ تقدیر کو پیش کرنا آپ کی مغلوبیت کے آثار میں سے ہے، پادری صاحبوں کی یہ آخری چال ہوتی ہے، جب سب طرف سے مجبور ہوجاتے ہیں، تو تقدیر کے مسئلے کو پیش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اہلِ اسلام کو اِس کا جواب نہ آئیگا؛ مگر مَیں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ: آپ

(۱) مکتبہ حفظ القرآن دیوبند ۱۳۹۲ھ کے نسخے میں لفظ ''سمجھ میں ہی'' ہے۔

(۲) آیت سے متعلق پورا مضمون اِس طرح ہے کہ: سب چیزیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ کہ زمین میں ہیں، اللہ کی پاکی (قالاً وحالاً) بیان کرتی ہیں، اُسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ (یہ تمہید ہوئی اگلے بیان کی کہ وہ ایسے صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہے تو اُس کی اطاعت واجب اور معصیت قبیح ہے۔) وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا (جو مقتضی اِس کو تھا کہ سب ایمان لاتے)، سو (باوجود اِس کے بھی) تم میں بعضے کافر ہیں اور بعضے مومن ہیں، اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال (ایمانیہ وکفریہ) کو دیکھ رہا ہے، (پس ہر ایک کے مناسب جزا

دے گا)۔(بیان القرآن ۲۱/۱۱، تاج پبلشرز دہلی)
اِس اعتراض کو بھی پیش کر لیجیے، ہم ان شاء اللہ اِس کا بھی جواب دیں گے۔ یہ کہہ کر کہا:
اب فرمائیے۔

مسئلہ تقدیر پر اعتراض

آخر پادری صاحب نے یہ مضمون ادا کیا کہ: اگر تقدیر کو مانیے تو بندہ بے گناہ اور خدا ظالم ہوگا، جو پہلے سے بہت سے آدمیوں کو جہنم کے لیے تجویز کر لیا اور پھر اُسی کے موافق کیا، اُس کو نکالنا تھا، نہ دھکا دینا تھا۔ علاوہ بریں آدمی سب ایک سے ہیں، جیسے سارے آدمیوں کے ہاتھ،
پاؤں، آنکھ، ناک، کان ایک سے ہیں، ایسے ہی روحوں کو بھی سمجھیے۔ غرض، یہ فرق کفر وایمان پہلے سے نہیں، اپنے آپ کوئی مومن ہو جاؤ، یا کافر ہو جاؤ۔۔۔

پندرہ منٹ ہو چکے، اپنے نزدیک مضمون کو ناتمام سمجھ کر مولوی محمد قاسم صاحب وغیرہ کی طرف مخاطب ہو کر کیا کہتے ہیں: اگر آپ صاحب مہربانی فرما کر کچھ اَور مہلت دیں، تو ہم کچھ اَور بیان کر لیں، اِس پر اَوروں کی تو رائے نہ تھی کہ اُن کو مہلت دی جائے، یعنی جب وہ ہم کو مہلت نہیں دیتے تو ہم کیوں دیں؟ اچھا اُن کا بھی مضمون ناتمام ہی رہے؛ مگر مولوی محمد قاسم صاحب نے - یہ سمجھ کر کہ ہم اُن کو مہلت دیں گے، تو یہ بھی ہم کو مہلت دیں گے، پھر ہم ان شاء اللہ بہت کچھ بیان کر لیں گے۔ اِدھر اُن کو اِس بات کے کہنے کی گنجائش نہ رہے گی کہ ہمارے اعتراض بیان نہ ہونے پائے؛ ورنہ حقیقت معلوم ہوتی - یہ کہا: ''پادری صاحب! ہم آپ کی

طرح نہیں کہ اجازت نہ دیں، ہماری طرف سے اجازت ہے، آپ پندرہ منٹ کی جگہ بیس منٹ بیان کریں، پچیس منٹ بیان کریں، تیس منٹ بیان کریں، آپ حسبِ دل خواہ بیان کرلیں، ہم ان شاء اللہ سب کا جواب دیں گے'۔ قصہ ؟ کوتاہ! پادری صاحب نے اُس ایک مضمون کو بہت دیر تک بیان کیا اور اپنا سارا خوب زور مارا۔ تیس منٹ جب ہو چکے، تب چپ ہوئے۔ وہ بیٹھے اور جناب

(۱) دراصل پادری نولس کا یہ مناقشہ اُس ہدایت کے خلاف ہے جس کا ذکر دوسری تقریر سے پہلے کے پیراگراف میں ہوا ہے۔ دیکھیے: گزشتہ پہلی تقریر کی اخیر کی سطریں۔

مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے اور ہنس کر یہ فرمایا: لیجیے پادری صاحب! اب ہم کو بھی تیس منٹ کی اجازت دیجیے، لاچار ہوکر پادری صاحب کو اجازت دینی پڑی۔ جناب مولوی محمد قاسم صاحب اُسی میز کے پاس تشریف لے گئے اور اول یہ کہا:

تیسری تقریر

کل کے جلسہ میں تو ہماری طبیعت بہت کبیدہ تھی، پادری صاحبوں کی طرف سے وہ لوگ کھڑے ہوتے تھے جن کو گفتگو کا سلیقہ نہ تھا، الفاظ سے اوقات کی خانہ پُری کردیتے تھے؛ مگر ہاں! آج ہماری طبیعت بہت محظوظ ہوئی۔ پادری صاحب بہت خوش تقریر اور صاحبِ سلیقہ ہیں۔ اِن کی باتوں کے جواب دینے کو ہمارا بھی جی چاہتا ہے؛ مگر باوجود اِس لیاقت کے پادری صاحب نے ایسی ایسی غلطیاں کھائی ہیں کہ کیا کہیے! میں بہ غرضِ توہینِ پادری صاحب نہیں کہتا، امرِ واقعی بیان کرتا ہوں، پادری صاحب کا دعویٰ کچھ ہے اور دلیل کچھ ہے، سوال از آسماں، جواب از ریسماں]یعنی

سوال کچھ، جواب کچھ]۔

پادری صاحب کی دلیل محض مغالطہ

دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جیسے ہمارا خدا واحد حقیقی ہے، ایسے ہی وہ باوجود وحدتِ حقیقی کے کثیر بھی حقیقی ہے۔ یعنی حقیقت میں تین بھی ہے، سو اِس اجتماعِ وحدتِ حقیقی اور کثرتِ حقیقی کے لیے پادری صاحب نے دلیل بیان کی، تو وہ کی جس سے کثرتِ حقیقی اور وحدتِ اعتباری کا اجتماع ثابت ہوتا ہے، نہ اصل مطلب کا اثبات، پادری صاحب نے جتنی مثالیں بیان فرمائیں سب اِسی قسم کی ہیں۔ توضیح کے لیے اول ایک مثال عرض کرتا ہوں، سنیے:

کثرتِ حقیقی اور وحدتِ اعتباری کا فرق

اگر شکر ایک برتن میں ہو اور کیوڑہ ایک برتن میں اور پانی ایک برتن میں، اور پھر اِن تینوں کو ایک کٹورے میں ڈال کر شربت بنائیں، تو گو دیکھنے میں وہ تینوں فی الحال ایک چیز نظر آتی ہیں؛ مگر عقلِ صائب ہنوز اِن تینوں چیزوں کو بہ دستور کثیر مختلف الحقیقت سمجھتی ہے۔ غرض! اِن تین چیزوں کو تین مزوں کے لیے ملایا ہے، اگر وہ تینوں شربت بن جانے کے وقت تین نہ رہتیں، تو وہ تین باتیں جو مطلوب تھیں۔ یعنی شیرینی اور خوشبو اور تسکینِ حرارت یا یوں کہیے رفعِ تشنگی۔ کاہے کو حاصل ہوتیں! کچھ اَور ہی بات ہو جاتی۔ سو جیسے تین چیزیں ایک ظرف میں اکٹھی ہو گئیں ہیں اور اِس وجہ سے باوجود کثرت اور تثلیثِ حقیقی کے مشاہدہ کے وقت ایک نظر آتی ہیں، اور آنکھ سے ہر ایک جز کو جدا جدا تمیز نہیں کر سکتے۔

مثالوں کا تجزیہ

ایسے ہی پادری صاحب نے جتنی مثالیں بیان فرمائیں اُن سب میں تین تین چیزیں ایک جا اکٹھی ہیں اور نظرِ سرسری اجمالی میں ہر جگہ وہ تینوں ایک نظر آتی ہیں اور باہم متمیز نہیں ہوتیں؛ ورنہ حقیقت میں سب مثالوں میں مضامینِ مختلفہ مجتمع ہیں، عقلِ حقیقت بیں کے نزدیک ہنوز بہ دستور ایک دوسرے سے متمیز ہے، یعنی ہر ایک کے آثار ولوازم جدا جدا ہیں، ہر ایک سے جدا بات مطلوب ہے۔ خواہشِ نفسانی کا مثلاً کچھ اَور کام ہے اور قوتِ خیالیہ کا کچھ اَور، اگر بعد اجتماع کثرت نہ رہتی، وحدت ہو جاتی، تو یہ تین مطلب کاہے کو حاصل ہوتے۔ اِسی طرح اَور مثالوں کو سمجھ لیجیے۔ الغرض! طول، عرض، عمق تین مضمون ایک جا اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اور اسی طرح جڑ اور شاخیں اور پتے جدا جدا باتیں ایک جا اکٹھی ہو گئی ہیں؛ چناں چہ ظاہر ہے(۱)۔

تثلیث ہی کی کیا خصوصیت؟

علاوہ بریں، اگر یہ ہی اتحاد اور وحدت ہے، تو ایسا اتحاد اور وحدت تو اَور اعداد میں بھی پایا جاتا ہے۔ تین ہی کی کیا خصوصیت ہے جو تثلیث کا تو اعتقاد ہے اور تربیع]چار ہونے[وتخمیس

(۱) اہلِ فہم کو معلوم ہوگا کہ درخت کی مثال میں ہر ایک کی جدائی ایسی ظاہر ہے کہ آنکھوں سے بھی معلوم ہوتی ہے۔۱۲ (مرتبین رسالہ)

]پانچ ہونے[وغیرہ سے انکار؟ پادری صاحب نے جتنی مثالیں بیان فرمائیں، اُنہیں کو غور کیجیے، تو تین سے زیادہ مضمون مجتمع ہیں۔ ایک کا اگر ہندسہ لکھتے ہیں، تو سوائے طول، عرض، عمقِ موہوم کے اُس میں سیاہی اور سیاہی کی چمک اور خوب صورتی وغیرہ

بھی پائی جاتی ہے۔ایک جان میں کتنی صفات اور احوال ہوتے ہیں! ایک پادری صاحب میں کس قدر اخلاقِ حمیدہ ہیں! اور ایک خدائے تعالیٰ میں کتنی صفاتِ کمال ہیں! ایک درخت میں ہزاروں شاخیں، ہزاروں پتے ہیں، ہزاروں پھول ہیں اور پھر ہر شاخ و برگ اور پھل پھول میں کس قدر رگیں اور رنگتیں ہیں! علیٰ ہذا القیاس! یہ ایک خیمہ ہے اور اِس میں کتنی چوبیں ہیں اور کتنے آدمی ہیں!

ایک کے ہندسہ میں یہ سب کچھ ہے اور پھر ایک کا ایک! روحِ انسانی میں یہ سب کچھ ہے، اور پھر ہر ایک کی ایک! ذاتِ خداوندی میں غیر متناہی صفات کمال ہیں۔اور پھر ایک کی ایک! پادری صاحب میں یہ سب کچھ ہے، اور پھر ایک کے ایک! درخت میں یہ سب کچھ ہے، اور پھر ایک کا ایک! اگر یہ ہی اجتماع کثرت حقیقی اور وحدت حقیقی ہے، تو پادری صاحب نے تثلیث ہی پر کیوں قناعت فرمائی، تربیع، تخمیس؛ بل کہ تسدیس و تسبیع و تثمین؛ بل کہ تالیف]یعنی چار ہونے، پانچ ہونے، چھ ہونے، سات ہونے، آٹھ ہونے؛ بلکہ ہزار ہونے[وغیرہ کا اعتقاد بھی پادری صاحب کو ضرور]ی[تھا۔ پھر اِس پر پادری صاحب نے یہ کیسی الٹی بات کہی کہ: توحید بے تثلیث

کے نہیں ہوسکتی۔

ایک کا سمجھ لینا تین کیبغیر ممکن ہے

اگر کہنا تھا تو یہ کہنا تھا کہ: تثلیث بے توحید سمجھ میں نہیں آتی اور ممکن ہی نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ''ثلاثہ'' تین واحدوں کو کہتے ہیں، تین واحدوں کے اکٹھے ہوجانے سے ثلاثہ بن جاتا ہے، یعنی تین واحد کے اجتماع سے تین کا عدد حاصل ہوتا

ہے۔سو، اِس سے ظاہر ہے کہ تین کا سمجھنا اور تین کا وجود بے واحد ممکن نہیں، اور ایک کا وجود اور ایک کا سمجھ لینا بے تین کے متصور ہے۔

وحدتِ حقیقی اور کثرتِ حقیقی کا جمع ہونا محال ہے

اور اِن سب باتوں سے قطعِ نظر کیجیے] پھر عقل کا فیصلہ سنیے: [وحدتِ حقیقی اور کثرتِ حقیقی کا ایک شی میں مجتمع ہونا محال ہے، جیسے ایک وقت میں ایک شی کا ہونا اور نہ ہونا، اور ایک وقت میں ایک جا پر دھوپ اور سایہ کا ہونا اور گرمی اور سردی کا ہونا؛ محال ہے۔کسی عاقل کی عقل اس کو تجویز نہیں کر سکتی، ایسے ہی وحدتِ حقیقی اور کثرتِ حقیقی کے اجتماع کو کسی کی عقل تجویز نہیں کر سکتی۔

ضدین کا اجتماع محال ہے

علاوہ بریں، جاہلوں کو ہر فن میں اُس فن کے اہلِ کمال کا اتباع اور تقلید ضروری ہے، اِس نظر سے بھی اِس اجتماع کے محال ہونے کو ماننا لازم تھا؛ کیوں کہ یہ مسئلہ مِن جملہ مسائلِ معقول ہے۔سو تمام معقولیوں کا اِس پر اتفاق ہے کہ: اجتماع النقیضین اور اجتماع الضدین محال ہے۔پھر جب وحدتِ حقیقی اور کثرتِ حقیقی؛ دونوں باہم متضاد ہوں، تو اِن دونوں کا ایک جا پر اجتماع کیوں کر تسلیم کیا جائے؟ حاصلِ تقریر متعلق تثلیث تو ہو چکا؛ لیکن بہ غرضِ توضیح راقم کی یہ گزارش ہے کہ:

کم عقل کو بھی تثلیث وتوحید کا جمع ہونا تسلیم نہیں

اگر کوئی کم عقل بھی یہ تجویز کر سکے کہ وحدتِ حقیقی اور کثرتِ حقیقی میں تضاد نہیں، تو البتہ معتقدانِ تثلیث کو اہلِ عقل نہ سہی، دیوانوں ہی کے سامنے منھ کرنے کی گنجائش ملتی؛ مگر جب کوئی شخص بھی اِس مضمون کو تجویز نہ کر سکے تو پھر خدا جانے کس

بھروسے اِس مسئلہ کو اہلِ توحید کے سامنے پیش کیا کرتے ہیں!۔تمام جہاں کے مذاہب کو دیکھیے ،تو گو کوئی مذہب کتنا ہی باطل کیوں نہ ہو؛ پر اُس میں بھی ایسا مسئلہ مخالفِ عقل نہ ہوگا جیسا مسئلہ ؟ تثلیث مخالفِ عقل ہے؛ مگر افسوس صد افسوس! ایسی بات تو قبول کرلیں اور ایسے ایسے پوچ اعتراض کریں جن کے لیے اہلِ عقل کے نزدیک جواب کی حاجت ہی نہ ہو۔

الزامی جواب

اگر اِس قسم کی باتوں کا بھی تسلیم کرلینا انسان کے ذمہ ہے تو ظلم، قتل، جھوٹ، فریب، زنا، اِغلام وغیرہ گناہان]یعنی گناہوں کا گناہ ہونا[اور مخالفتِ خدا وانبیا کا طاعت وعبادت ہونا بھی واجب التسلیم ہوگا؛ کیوں کہ اِن باتوں کا طاعت وعبادت ہونا اِس قدر دور اَز عقل نہیں جس قدر وحدتِ حقیقی اور کثرتِ حقیقی کا اجتماع دور اَز عقل ہے۔ یہ کیا انصاف ہے کہ ''تثلیث'' اور ''کفّارہ'' کو تو باوجود مخالفتِ عقل مان لیجیے اور دینِ محمدی کو۔جس پر مخالفتِ عقلِ سلیم کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔تسلیم نہ کیجیے۔

ملکیت و اِختیار

عقل رہبر

اصول ۱۴: [مالک کو جس طرح تعمیر کے وقت اِختیار ہوتا ہے، اُسی طرح بعد تعمیر مالک ہونے کی حیثیت سے تصرف کا بھی اختیار ہوتا ہے۔ اِس اختیار کا اور اِختیار پر مبنی افعال کا، کوئی بندہ نہ مالک ہوسکتا ہے، نہ خالق۔

باوجود اجتماعِ خورد ونوش اور اضطرارِ بول و براز ومرض وموت اور بے چارگیِ وقتِ قتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُلوہیت کو تسلیم کرلیں، اور اُن کے اقرارِ عبودیت اور بنی آدم ہونے پر بھی کچھ خیال نہ کریں، اور باوجود ظہورِ معجزات اور دلالتِ اخلاق وافعال ودیگر علامات وعدمِ مخالفتِ عقل، رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں تامل ہو، عقل رہبر دین ودنیا ہے، اُس کی مخالفت پر کمر باندھی، تو پھر وہ کیا چیز ہے جس کا اتباع کیا جائے گا؟

بے موقع اعتراض پر گرم سرد مناقشہ

خیر! اِس کے بعد اعتراض متعلق مسئلہ ؟ تقدیر کی نوبت آئی؛ مگر غالبًا مولوی صاحب نے پھر یہ کہا کہ: پادری صاحبوں کا دستور ہے کہ جب کچھ بن نہیں پڑتی، تو مسئلہ ؟ تقدیر کو لے دوڑتے ہیں، یہ آخری چال اور آخری تدبیر اِن صاحبوں کی ہوتی ہے۔ پادری صاحب کی مغلوبیت کی نشانی ہے جو اِس مسئلہ کی نوبت آئی؛ مگر بہ نامِ خدا ہم بھی ان شاء اللہ اِس کا جواب شافی دیتے ہیں۔ ہاں! بہ وجہِ تنگیِ وقت اور نیز لحاظِ حاضرین باریک مضامین کے بیان کرنے سے تو معذور ہوں، ایک دو موٹی بات عرض کرتا ہوں۔

... جناب مولوی محمد قاسم صاحب نے پادری صاحب موصوف سے کہا: آپ بڑے پادری صاحب سے اجازت دلوائیں، پھر دیکھیں! مَیں پہلو تہی کرتا ہوں یا بیان کرتا ہوں؟

تحقیق مسئلہ تقدیر

قصہ کوتاہ! پادری صاحب موصوف تو کچھ نہ بولے اور جناب مولوی محمد قاسم صاحب نے اپنا مطلب شروع کیا۔ بہ غرضِ توضیح اوّل ایک مثال بیان کی اور یہ کہا:

فرض کرو ایک قطعہ ? زمین کسی شخص کا اُفتادہ ہے جس میں مکان و دیوار کچھ نہیں، مالکِ زمین نے چاہا اُس میں مکان بنائے، بہ حیثیتِ مالکیت مالکِ مذکور کو اختیار ہے جس طرف جو چاہے بنائے؛ دالان بنائے، چاہے باورچی خانہ، چاہے پاخانہ یا غسل خانہ بنائے، زمین کی طرف سے کچھ انکار نہیں۔ گویا قطعہ ? زمین بہ زبانِ حال دودستہ عرض ? کرتا ہے: مَیں ہر طرح حاضر ہوں، جس طرف سے چاہیے، بنایئے۔ خیر مالکِ زمین نے اپنے نزدیک مناسب نامناسب دیکھ کر کہیں دالان در دالان یا آگے پیچھے دالان اور کوٹھا بنایا، کہیں کوٹھری، کہیں باورچی خانہ، کہیں غسل خانہ، کہیں پاخانہ، کہیں بدَ رُرَ روموری] پانی باہر نکلنے کا راستہ، نالی [، کہیں دروازہ بنا کر مکان کو تیار کیا۔

] اصول ۵۱: مالک کو جس طرح تعمیر کے وقت اِختیار رہوتا ہے، اُسی طرح بعد تعمیر تصرف میں بھی اختیار رہوتا ہے۔ [

مگر جیسے قبلِ تعمیر صاحبِ زمین کو اِس بات کا اختیار تھا کہ جہاں جو چاہے بنائے، ایسے ہی بعد بنالینے کے اِس بات کا اختیار رہے کہ جہاں جو چاہے کرے۔ دالان میں پاخانہ پھر و تو اُس کو انکار نہیں، اور پاخانہ میں جا کر جلوس کرو، تو اس کو دشوار نہیں۔ ہاں، جیسے بناتے وقت مناسب نامناسب کا لحاظ تھا، کام کرتے وقت بھی مناسب نامناسب کا لحاظ ہوگا۔ یعنی پہلے مثلاً اِس بات کا خیال تھا کہ اگر موقع بے موقع

دالان وغیرہ بنایا جائے گا، تو نقشہ ؟ مکان ناموزوں ہو جائے گا، اب یہ خیال پیشِ نظر ہوگا کہ اگر موقع بے موقع کام کیا جائے گا، تو خلافِ تہذیب و عقل سمجھا جائے گا۔

خلجان کا اِزالہ

لیکن اِس صورت میں اگر فرض کرو پاخانہ کو زبان عنایت کی جائے اور وہ یہ عرض کرے کہ: مَیں نے کیا تقصیر کی ہے، جس کے عوض یہ سزا ملتی ہے کہ ہر روز پاخانہ اور نجاست ڈالا جاتا ہے؟ اور دالان اور شہ نشیں نے کونسا انعام کا کام کیا ہے جس پر بوریا بچھا کر شطرنجی بچھاتے ہیں اور پھر چاندنی، اُس پر قالین بچھایا جاتا ہے، گاؤ تکیے رکھے جاتے ہیں، شیشہ ؟ آلات سے آراستہ کرتے ہیں، جھاڑ اور فانوس روشن کیے جاتے ہیں، گل دستے رکھے جاتے ہیں، عطر سے معطر کرتے ہیں، گلاب پاشی سے رشکِ گل زار بنا دیتے ہیں؟ تو مَیں حاضرانِ جلسہ سے پوچھتا ہوں کہ: اِس صورت میں مالکِ زمین و مکان کی طرف سے یہی جواب ہوگا یا کچھ اَور کہ: تو اِسی قابل ہے اور تجھ کو اِسی لیے بنایا ہے، اور دالان اِسی قابل ہے اور اُس کو اُسی لیے بنایا ہے۔ مگر جب ہم تم اِس تھوڑے سے نام کی مالکیت کے بھروسے زمین و مکان و پاخانہ پر یہ تحکم کر سکیں، تو کیا خداوند مالک الملک وحدہٗ لاشریک لہٗ اپنی مخلوقات پر یہ تحکم نہ کر سکے گا۔

بندوں پر سے خدا کی ملک و قبضہ و تصرف اٹھ نہیں سکتا

ہماری تمہاری مالکیت بھی برائے نام اور قبضہ و تصرف بھی برائے نام، بیع و شرا سے مِلک اور قبضہ اٹھ جائے، مر جائیں تو مِلک اور قبضہ اٹھ جائے۔ پھر مکان کا وجود، بانی ؟ مکان کے وجود کے تابع نہیں، بانی ؟ مکان مر جائے تو مکان نہیں مرتا، اِس پر تو یہ تحکم ہو، خداوند مالک الملک کا قبضہ بھی ایسا کہ اٹھ نہیں سکتا، ملک بھی ایسی کہ

زوال کا احتمال نہیں؛ بلکہ جیسے آفتاب دھوپ پر-اِس بُعد پر کہ لاکھوں کوس اُس سے دور ہے-اِس طرح قابض ہے کہ آئے تو ساتھ لائے اور جائے تو ساتھ لے جائے۔اور زمین باوجود اس قرب کے کہ اِس میں اور دھوپ میں کوئی حجاب نہیں، اِتنا بھی دھوپ پر اختیار نہیں رکھتی کہ گھڑی دو گھڑی کے لیے ہی رکھ لے، آفتاب چلا جائے اور دھوپ نہ جائے، ایسے ہی خداوند مالک الملک اور موجودات کے وجود کو سمجھو۔ ہمارے وجود کو باوجودے کہ خدا کے وجود سے علاحدگی ہے-یعنی یہ نہیں کہ خدا اور بندے ایک ہوں-پھر خدا کے قبض وتصرف میں اس طرح سے ہے کہ اُس کی طرف سے ارادہ ہو تو ملے، نہ ہو تو نہ ملے۔اور وجود ہم سے گو اتنا قریب ہے کہ ہم میں اور اُس میں کچھ فاصلہ نہیں، کوئی حجاب نہیں؛ مگر پھر ہمارے اختیار میں نہیں، خدا چاہے تو ہم سے چھین لے اور ہم چاہیں تو خدا سے اپنا وجود چھین کر رکھ نہیں سکتے۔

یا یوں سمجھو! مالکِ مکان اگر اپنے مکان میں رعیت بسائے، تو گو خود اُس مکان سے دور ہے اور رعیت کے لوگ اُس میں رہتے ہیں؛ پر جس قدر مالکِ مکان اُس مکان پر قابض ہوتا ہے اُس قدر رعیت کے لوگ اُس پر قابض نہیں ہوتے۔ مالکِ مکان چاہے تو رعیت کو مکان سے نکال دے، اور رعیت کے لوگ چاہیں تو بطور خود مالکِ مکان کو بے دخل نہیں کر سکتے۔

ملکیت کی علت

]اصول ۶۱: ملکیت کی علت کامل قبضہ ہے، ہمارا وجود ہمارے قبضے میں نہیں، خدا کے قبضے میں ہے، اُس کا قبضہ ہمارے وجود سے اٹھ نہیں سکتا، اس لیے اس کی ملکیت بھی

قابل زوال نہیں۔(۱)]

غرض، ہمارا وجود گو ہم سے متصل ہو؛ پر ہمارے قبضے میں نہیں، خدا کے قبضے میں ہے، گو اُس سے علاحدہ ہے۔ پھر جیسے قبضہ ؟ آفتاب دھوپ سے اٹھ نہیں سکتا، ایسے ہی خدا کا قبضہ ہمارے وجود سے اٹھ نہیں سکتا، اور جب اُس کا قبضہ ہمارے وجود سے اٹھ نہیں سکتا، تو اُس کی ملک بھی قابلِ زوال نہیں، یعنی علتِ ملک یہ ہی قبضہ ؟ کامل ہے۔ جانورانِ صحرائی اور ماہیانِ دریائی وغیرہ اشیا اگر ملک میں آتی ہیں، تو اِس قبضہ ہی سے آتی ہیں، اور بیع وشرا وغیرہ میں یہ قبضہ ہی منتقل اور متبدل ہو جاتا ہے۔

(۱) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ''تشریح تصفیۃ العقائد''، اصول نمبر ا کی وضاحت: از راقم۔

کامل ملکیت قابلِ زوال نہیں ہوتی

علاوہ بریں، جیسے نورِ زمین- جسے دھوپ کہتے ہیں- زمین کا خانہ زاد نہیں، آفتاب سے مستعار ہے اور آفتاب کا خانہ زاد ہے، ایسے ہی ہمارا وجود ہمارا خانہ زاد نہیں، ہمارے پاس خدا کی طرف سے مستعار ہے، ہاں! خدا کا خانہ زاد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مُستعار چیز اپنی ملک نہیں ہوتی، اُسی کی ملک ہوتی ہے جس کی طرف سے عطا ہوتی ہے یعنی جس کی خانہ زاد ہوتی ہے، پھر اُس پر سے اُس کا قبضہ اٹھ نہیں سکتا جو بیع وشرا و ہبہ وتملیک کا احتمال ہو۔ اِس صورت میں کیوں کر کہہ دیجیے کہ خدا کی ملک قابلِ زوال ہے؛ بلکہ خواہ مخواہ اِس کا اقرار ضروری ہے کہ خدا کی ملک اَزلی اور ابدی ہے۔ یہ کیسا انصاف؟

الحاصل! اِس نام کے قبضہ اور مالکیت پر- جو ہمیشہ معرضِ زوال میں رہتی ہے- ہم کو اِس تحکم کی اجازت ہے اور کسی کو اِس پر اعتراض نہیں، تو اُس خداوند عالم، مالک الملک کو- جس کی ملکیت ازلی اور ابدی ہے اور اُس کا قبضہ دائمی اور سرمدی ہے(۱)، اُسی نے (۲) اپنے وجود سے ہم سب کو وجود عنایت کیا- اِس قدر تحکم کا کیوں کر اختیار نہ ہوگا؟ کیا وہ گناہ گاروں سے یہ نہ کہہ سکے گا کہ: تم اسی لائق ہو اور تمھیں اِسی لیے بنایا ہے، اور مطیع وفرماں بردار اُسی لائق ہیں اور اُنھیں اُسی کے لیے بنایا ہے؟

(۱) زمانہ ؟ ماضی میں سلسلے کا لامتناہی ہونا ''ازلی''، زمانہ ؟ مستقبل میں سلسلے کا لامتناہی ہونا ''ابدی'' اور ماضی ومستقبل دونوں میں سلسلے کا لامتناہی ہونا ''سرمدی'' کہلاتا ہے۔

(۲) یہ شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند کے تتبع میں لکھا گیا۔ مکتبہ حفظ القرآن دیوبند ۱۳۹۲ھ کے نسخے میں لفظ ''لیے'' نہیں ہے اور دارالمولفین دیوبند ۱۴۰۲ھ میں ''کے لیے'' کے بجائے ''نے'' ہے۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ یہاں پر ''جس نے'' محذوف ہے: ف۔

نیک وبد کی پیدائش میں حکمت

غرض، مجموعہ ؟ عالَم میں نیک وبد کے اِجتماع سے اس طرح موزونی پیدا ہوتی ہے جیسے دالان اور باورچی خانہ وغیرہ کی فراہمی سے مکان کی موزونی پیدا ہوتی ہے، جیسے وہاں دونوں کے

اجتماع میں کمالِ مکان ہے، ایسے ہی یہاں بھی دونوں کے اجتماع میں کمالِ عالم ہے(۱)۔

اس قسم کی تقریروں کے بعد وقت میں گنجائش نہ رہی، تیس منٹ ہو چکے، مولوی محمد قاسم صاحب تو بیٹھ گئے۔ قصہ ؟ کوتاہ! مولوی محمد قاسم صاحب کی خوش بیانی اور پادری صاحب کی افسردگی اُس وقت قابلِ دید تھی۔

(۱) اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیر وشر کا مدار انسان کی پسند یا نفسانی خواہش پر نہیں ہے جیسا کہ مغربی مفکرین روس وغیرہ کا خیال ہے؛ بلکہ خیر وشر خدا کی پیدا کردہ ہیں۔ (اِس مضمون کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ملاحظہ فرمایئے: تقریر دل پذیر، ص: ۶۸ تا ۴۹، ۱۱۳ تا ۱۱۵، ۱۳۷، ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۷۲، وغیرہ)۔

الامام محمد قاسم نانوتویؒ کی جانب سے میلہ خدا شناسی ۱۸۷۶ء میں کی گئی تین تقریریں یہاں درج کر دی گئیں، جن میں اصولی طور پر چھ امور زیر بحث لائے گئے: ۱- خدا کا ثبوت ۲- خدا تعالیٰ کی توحید ۳- اُس کا واجب الاطاعت ہونا ۴- نبی کی ضرورت ۵- نبی کی علامات واوصاف ۶- حضور ﷺ کا افضل الانبیاء ہونا۔ پھر توحیدِ خداوندی کے ضمن میں توحیدِ صفات کا مسئلہ ''تقدیر'' اور افعالِ خداوندی کے ضمن میں مسئلہ ''تخلیق خیر وشر'' کا بھی زیر بحث لایا گیا۔ یہ دونوں مسئلے پادریوں کی جانب سے اٹھائے گئے تھے؛ اِس لیے اُن کا جواب دینا ضروری ہوا۔ شاہ جہاں پور میں میلہ خدا شناسی کے نام سے منعقد ہونے والے پہلے جلسے- جس میں یہ تقریریں ہوئیں- کے بعد ۱۸۷۷ء میں شاہ جہاں پور میں اِسی جگہ دوسرا جلسہ ہوا۔ اس میں حضرت نانوتویؒ نے اپنی تقریروں میں مذکورہ بالا چھ امور کے ساتھ دو امور: ۱- حضور ﷺ کا خاتم الانبیاء

ہونا اور ۲-آپ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ کی اتباع میں نجات کا منحصر ہونا بھی بیان فرمایا۔میلہ ؟ خداشناسی کی دونوں سالوں کی تقریروں کے علاوہ مذکورہ بالا امورِ ہشت گانہ کو موضوع بنا کر پر حضرت نانوتویؒ نے ایک کتاب بھی لکھی تھی، جس کا نام ''حجۃ الاسلام'' ہے، اُس میں یہ آٹھوں امور زیادہ واضح طور پر، زیادہ منضبط انداز میں اور مفصل طریقے سے بیان کیے گئے ہیں، نیز اسلام کے بعض ضروری فروع اور احکام پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

نظرِ اہلِ نظر

از: مولانا محمد حذیفہ صاحب وستانوی

فکرِ قاسم واشرف کی اشاعت کا منضبط سلسلہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰۱۷ سے شروع ہوا، جس کی پہلی کاوش ''الامام قاسم نانوتوی کی فکر اور بدلتے حالات میں مدارس کی ترجیحات'' منظرِ عام پر آئی، یہ زیرِ نظر رسالہ اُس سلسلہ ؟ جہد کی آٹھویں کڑی ہے۔ اِس وقت ردِّ الحاد اور مذاہب غیر کے مطالعہ کا جو اِس قدر ولولہ ہے اور ہونا بھی چاہیے، اُس کے لیے ایک ضروری اور اہم بات کی طرف توجہ بھی نہایت ضروری ہے، اور وہ ہے دفاعِ اسلام کے امر میں درست مباحث اور اہلِ حق کے صحیح اصولوں کی اطلاع ونظر اور ضرورت کے وقت اُن کا اجراء واطلاق؛ اِس حوالے سے یہ مختصر سا رسالہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں نہ استغراب ہے، نہ ڈائیلاگ، نہ مداہنت ہے اور نہ ہی مفاہمت ومصالحت؛ بلکہ یہ رسالہ عقل کے صحیح اصولوں پر اِحقاقِ حق وابطالِ باطل کے طریقہ ؟ کار کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ: اسلام کی مدافعت کرنے والوں کو خصوصی طور پر اور ملتِ اسلامیہ کو عمومی طور پر یہ رسالہ نافع اور مفید ہو۔ اور مولانا حکیم فخر الاسلام صاحب مظاہری۔-جنھوں نے اِس سلسلہ وار کام کو حالات حاضرہ کے تناظر میں پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا، جو بہ کثرت ملت کے دردمند حضرات اور مفکرین و مدافعینِ اسلام کی دل کی آرزو تھی-کو اِس کا اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

صاحب الفکرۃ: محمد حذیفہ وستانوی